روحانی شخصیات

تحقیق و تصنیف

ڈاکٹر محمود علی انجم

(ایم اے، ایم ایس سی نفسیات، ایم سی ایس، ایم فل، پی ایچ ڈی اقبالیات)

(بانی تھری آئی سائیکوتھراپی، اسلامک سائیکالوجسٹ، سپرچوالسٹ، صوفی سائیکوتھراپسٹ

ریسرچ سکالر (اسلامیات، تصوف، اقبالیات، اردو، نفسیات وروحی علوم)

روحانی شخصیات

روحانی تعلیم وتربیت کے بغیر انسان نفسِ امارہ کی خرابیوں، شیطان کے مکروفریب اور مفاسدِ دنیا و دنیاداری سے نہ تو آگاہ ہوسکتا ہے اور نہ ہی ان کے شر سے بچ سکتا ہے۔ اپنے نفس سے جہاد، جہادِ اکبر ہے۔ جہادِ اصغر میں جان کی بازی لگانا پڑتی اور کئی طرح کی خرابیوں اور نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جبکہ نفس اور شیطان انسان کو صراطِ مستقیم پر چلنے نہیں دیتے۔ اس کے ایمان پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ ایمان میں خرابی سے انسان دنیا اور آخرت میں خسارے اور ہلاکت میں مبتلا ہوسکتا ہے۔ حیاتِ انسانی کے انہی تقاضوں کے پیشِ نظر ہمارے صوفی، دانشور حضرات نے انسانی زیست کے اس چیلنج کو قبول کیا، نفس اور شیطان کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور اپنے تزکیۂ نفس کے ساتھ ساتھ دیگر انسانوں کی اصلاح اور فلاح کے لیے روحانی تعلیم وتربیت کا فریضہ سرانجام دیا۔ یہ کتاب ان روحانی شخصیات کے ذکرِ خیر پر مبنی ہے جن سے بندۂ عاجز کو شعورِ حیات ملا اور روحانی تعلیم وتربیت حاصل ہوئی۔

تحقیق وتصنیف

ڈاکٹر محمود علی انجم

(ایم اے، ایم ایس سی نفسیات، ایم سی ایس، ایم فل، پی ایچ ڈی اقبالیات)
(بانی تھری آئی سائیکوتھراپی، اسلامک سائیکالوجسٹ، سپرچوالسٹ، صوفی سائیکوتھراپسٹ)
ریسرچ سکالر (اسلامیات، تصوف، اقبالیات، اردو، نفسیات وروحی علوم)
سابق پرنسپل ''چشتیہ کالج، فیصل آباد''
ایڈیٹر ''ماہنامہ نورِ ذات'' رجسٹرڈ، منظور شدہ
پروپرائٹر ''نورِ ذات پبلشرز''، لاہور

نورِ ذات پبلشرز، لاہور

Mobile & Whats App: 0321-6672557 Email: Anjum560@gmail.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جملہ حقوق بحق مصنفِ کتاب محفوظ ہیں

نام کتاب:۔ روحانی شخصیات

تحقیق وتصنیف:۔ ڈاکٹر محمود علی انجم

(ایم اے، ایم ایس سی نفسیات، ایم سی ایس، ایم فل، پی ایچ ڈی اقبالیات)
(بانی تھری آئی سائیکوتھراپی، اسلامک سائیکالوجسٹ، سپر چوالسٹ، صوفی سائیکوتھراپسٹ)
ریسرچ سکالر (اسلامیات، تصوف، اقبالیات، اردو، نفسیات وروحی علوم)
بانی وصدر (بزم فقرِ اقبال، بزم علم وعرفان، ایجوکیٹرز اینڈ لرنرز ویلفیئر آرگنائزیشن)
نائب صدر بزم فکرِ اقبال، انٹرنیشنل
سابق پرنسپل ''چشتیہ کالج، فیصل آباد''
ایڈیٹر ''ماہنامہ نورِ ذات''رجسٹرڈ، منظور شدہ
پروپرائٹر ''نورِ ذات پبلشرز''، لاہور

برائے مشورہ ورہنمائی:۔ فون نمبر / وٹس ایپ نمبر:۔ 0323-6672557 / 0321-6672557

ای میل:۔ Anjum560@gmail.com/Anjum560@outlook.com

کمپوزنگ:۔ محمد آصف مغل

طابع:۔ نورِ ذات پبلشرز

فون نمبر / وٹس ایپ نمبر:۔ 0323-6672557 / 0321-6672557

ای میل:۔ Anjum560@gmail.com/Anjum560@outlook.com

سنِ اشاعت:۔ مئی ۲۰۲۴ء

راقم الحروف نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ حتی المقدور تحقیقی وتنقیدی شعور سے کام لیتے ہوئے 'موضوعِ تحقیق' سے انصاف کیا جائے اور حقائق تک رسائی حاصل کر کے انھیں سند وحوالہ جات کے ساتھ ضبطِ تحریر میں لا کر قارئین کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ تاہم، ہر انسانی کوشش کی طرح علمی وادبی کاموں میں بھی غلطی، کوتاہی اور نقص کا امکان رہتا ہے۔ قارئین سے درخواست ہے کہ انھیں اس کتاب میں کسی مقام پر کوئی کمی بیشی و غلطی نظر آئے تو مجھے ضرور مطلع فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں ان کی قیمتی آرا سے استفادہ کیا جا سکے۔

والله الموفق و هو الهادی الی سواء السبیل۔ اللهم تقبل منا انك انت السمیع العلیم۔ الحمد لله رب العالمین۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌمَّجِیْدٌ ط اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُنَجِّیْنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ الْاَھْوَالِ وَالْاٰفَاتِ وَتَقْضِیْ لَنَا بِھَا جَمِیْعَ الْحَاجَاتِ وَتُطَھِّرُنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ السَّیِّئَاتِ وَتَرْفَعُنَا بِھَا عِنْدَکَ اَعْلَی الدَّرَجَاتِ وَتُبَلِّغُنَا بِھَآ اَقْصَی الْغَایَاتِ مِنْ جَمِیْعِ الْخَیْرٰتِ فِی الْحَیَاتِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ اِنَّکَ مُجِیْبُ الدَّعْوَاتِ وَرَافِعُ الدَّرَجَاتِ وَیَا قَاضِیَ الْحَاجَاتِ وَیَا کَافِیَ الْمُھِمَّاتِ وَیَادَافِعَ الْبَلِیَّاتِ وَیا حَلَّ الْمُشْکِلَاتِ اَغِثْنِیْ اَغِثْنِیْ اَغِثْنِیْ یَآ اِلٰھِیْ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْ ءٍ قَدِیْرٌ ط اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ ط اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ ذَرَّۃٍ مِّائَۃَ اَلْفِ اَلْفِ مَرَّۃٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ ط○ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ ط سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ط اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن○ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ○ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ○ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ اِلٰھاً وَّاحِدًا اَحَدًا صَمَداً لَمْ یَتَّخِذْ صَاحِبَۃً وَّلَا وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُواً اَحَدٌ○ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلَنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ○ وَاَنَا اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلاً وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا○ یَارَبِّ لَکَ الْحَمْدُ کَمَا یَنْبَغِیْ لِجَلَالِ وَجْھِکَ وَعَظِیْمِ سُلْطَانِکَ○ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیْہِ کَمَا یُحِبُّ رَبُّنَا وَیَرْضٰی ○ سُبْحَانَ اللّٰہِ عَدَدَ خَلْقِہٖ ○ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَدَدَ خَلْقِہٖ ○ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ عَدَدَخَلْقِہٖ ○ اَللّٰہُ اَکْبَرُ عَدَدَ خَلْقِہٖ○ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیْہِ کَمَا یُحِبُّ رَبُّنَا وَیَرْضٰی○ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُکَ وَاَنَا عَلٰی عَھْدِکَ وَوَعْدِکَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّمَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ اِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ○ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ ○ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْمُعَافَاۃَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ○ اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ ذَرَّۃٍ مِّائَۃَ اَلْفِ اَلْفِ مَرَّۃٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ ط اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌمَّجِیْدٌ ط اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط○

کتاب دوستی

کامیاب زندگی گزارنے کے لیے زندگی کا مقصد اور اسے گزارنے کا طریقہ جاننے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اس مقصد کے لیے بہترین مخلوق کا رُوپ عطا کرنے والے احد و واحد رب تعالیٰ نے انبیا و رُسل پر آسمانی کتابیں اور صحائف نازل فرمائے اور انھیں بطور معلم انسانوں کو تعلیم دینے اور ان کی تربیت کرنے کا فریضہ سرانجام دینے کی ذمہ داری تفویض فرمائی۔ کتاب ہر ایک معلم و متعلم کی بنیادی ضرورت ہے۔ ایک مسلمان تاحیات معلم اور متعلم کے طور پر زندگی بسر کرتا اور ہر وقت اپنی اور دوسروں کی اصلاح اور فلاح کے لیے مصروف بہ عمل رہتا ہے۔ حیات بخش اور حیات افروز علم و ادب پر مشتمل کتابیں ہر فرد کی ضرورت ہیں۔ ایسی تحقیقی، مستند کتابیں جو منشائے الٰہی کے مطابق دنیوی اور اُخروی فوز وفلاح کے حصول میں مدد و معاون ہوں، ان کا مطالعہ اور ان سے ملنے والی تعلیمات پر عمل کرنا ازحد ضروری ہے۔

اپنے بارے میں، اپنے خالق و مالک کے بارے میں، اس کائنات کے بارے میں، اپنے محبوب حکما، علما، صوفیہ، ادبا اور شعرا کی نگارشات سے استفادہ کرنے کے لیے مطالعہ کی عادت اپنائیں۔

یہ کتاب اسی جذبے کے تحت آپ کو پڑھنے کے لیے پیش کی گئی ہے۔ اسے خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کے لیے دیں۔

سُرورِ علم ہے کیفِ شراب سے بہتر　　　کوئی رفیق نہیں ہے کتاب سے بہتر

محترمی ومکرمی! ____________________

____

روحانی شخصیات

ازطرف:۔ ____________________

تاریخ:۔ ____________ دن:۔ ____________

اظہارِ تشکر

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ ۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ○

اور اللہ نے تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹ سے (اس حالت میں) باہر نکالا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے اور اس نے تمھارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تا کہ تم شکر بجالاؤ○

زیرِ نظر کتاب ''روحانی شخصیات'' کی تصنیف وتالیف کی سعادت حاصل ہونے پر میں ربِ قدیر اور اپنے آقا ومولا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بے حد وحساب شکر گزار ہوں۔ میں اپنے روحانی، علمی وادبی محسنین اور کرم فرماؤں خصوصاً سلطان الفقرا قبلہ فقیر نور محمد کلاچوی رحمۃ اللہ علیہ، پیر ومرشد حضرت قبلہ فقیر عبدالحمید سروری قادری رحمۃ اللہ علیہ، اپنے نہایت واجب الاحترام والد محترم حاجی محمد یٰسین رحمۃ اللہ علیہ اور والدہ محترمہ کا شکر گزار ہوں جن کی تعلیمات، دعاؤں، توجہ اور شفقت کی بدولت اس کارِ سعادت کی توفیق عطا ہوئی۔ میرے کرم فرما اساتذہ پروفیسر ڈاکٹر محمد آصف اعوان (پی ایچ ڈی اقبالیات)، پروفیسر ڈاکٹر محمد افضال انور (پی ایچ ڈی اردو)، پروفیسر ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان (پی ایچ ڈی اقبالیات)، پروفیسر ڈاکٹر قمر اقبال (پی ایچ ڈی اقبالیات) اور پروفیسر ڈاکٹر مظفر علی کاشمیری (پی ایچ ڈی اقبالیات) کی مدد، رہنمائی اور دعاؤں کی بدولت مجھے یہ کارِ خیر سرانجام دینے کی توفیق حاصل ہوئی۔ میری بیوی (فوزیہ نسرین انجم)، بیٹی (عروج فاطمہ)، داماد (اسد محمود)، بہو (فائزہ حامد) اور بیٹوں (حامد علی انجم اور احمد علی انجم) نے میرے حصے کی ذمہ داریاں سرانجام دے کر، ہر طرح سے میری ضروریات کا خیال رکھ کر مجھے ذہنی وقلبی فراغت کے لمحات حاصل کرنے میں گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ میں ان سب کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ میں اپنی اس علمی، ادبی وروحانی کاوش کو ان سے منسوب کرتا ہوں اور دل کی گہرائیوں سے ان کے لیے دعا گو ہوں۔

احقر العباد
طالبِ دعا ومنتظرِ آرا
ڈاکٹر محمود علی انجم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ ذَرَّۃٍ مِّائَۃَ اَلْفَ اَلْفِ مَرَّۃٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ ط

انتساب

سید المرسلین، رحمۃ اللعالمین، شفیع المذنبین، نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تمام انبیا ورسل، امہات المؤمنین، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام اولاد پاک، پنجتن پاک، آئمہ مطہرین، معصومین، تمام صحابہ کرام وصحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین، تبع تابعین، اولیائے امت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تمام مشائخ عظام، علمائے کرام، تمام مومنین ومومنات، مسلمین ومسلمات، قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی ودیگر تمام سلاسلِ حق کے پیرانِ عظام واہلِ سلسلہ، ساتوں سلطان الفقراء خصوصاً حضرت پیرانِ پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ، حضرت قبلہ فقیر نور محمد کلاچوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ غریب النواز خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ صابر پیا رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ، مرشدِ من حضرت قبلہ فقیر عبد الحمید سروری قادری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ محمد غلام نصیر الدین نصیر رحمۃ اللہ علیہ، فرید العصر میاں علی محمد خاں چشتی نظامی فخری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ محمد مسعود احمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ، سرکار میراں بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ محمد علی چشتی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ گوہر عبد الغفار چشتی صابری رحمۃ اللہ علیہ، میاں غلام احمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ، میاں مقبول احمد رحمۃ اللہ علیہ اوران کے اہل و عیال، حضرت میاں علی شیر صدیقی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت میاں فریاد احمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ، پروفیسر ڈاکٹر محمد افضال انور، پروفیسر ڈاکٹر قمر اقبال، پروفیسر ڈاکٹر محمد آصف اعوان، پروفیسر ڈاکٹر مظفر کاشمیری، پروفیسر ڈاکٹر محمد غلام معین الدین نظامی، ڈاکٹر محمد شفیق، ڈاکٹر محمد اصغر، پروفیسر سلیم صدیقی، استادِ محترم پروفیسر عبداللہ بھٹی، بندہ عاجز اور اِس کی اہلیہ کے والدین (حاجی محمد یٰسین وبیگم یٰسین، میاں لطیف احمد وبیگم میاں لطیف احمد)، بندہ عاجز کی اہلیہ (فوزیہ نسرین انجم)، بیٹی (عروج فاطمہ)، داماد (اسد محمود)، بہو (فائزہ حامد)، بیٹوں (حامد علی انجم، احمد علی انجم)، پوتے (محمد علی انجم)، پوتی (ماہ نور فاطمہ)، بہنوں (مسز یاسمین اختر، مسماۃ ناہید اختر)، برادران (میاں مقصود علی چشتی نصیری، میاں سجاد احمد قادری، میاں فیاض احمد، میاں شہباز احمد، میاں اعجاز احمد، میاں خرم یٰسین، میاں عاصم یٰسین، میاں ارشد محمود، میاں افتخار احمد، میاں ابرار احمد، میاں عمران احمد، میاں نسیم اختر) اوران کے اہل وعیال، مسٹر ومسز نصیر واہلِ خانہ، خالد محمود (پروپرائٹر: خالد بک ڈپو، لاہور)، کاشف حسین گوہر (پروپرائٹر: ہمدرد کتب خانہ)، الطاف حسین گوہر (پروپرائٹر: گوہر سنز پبلی کیشنز)، تمام مسلمان آباؤ اجداد، بہن بھائیوں، بیٹوں، بیٹیوں، دامادوں، بہوؤں، نسلِ نو، احباب، رفقا، اساتذہ، تلامذہ، ظاہری وباطنی بلا واسطہ وبالواسطہ محسنین، علمی نسبی، روحانی تعلق رکھنے والے تمام احباب، بندہ عاجز کے چاہنے والوں اوران سب کو جن سے بندہ عاجز کو محبت ہے، تاابدالآباد اس کا ثواب ایصال ہو۔ بندہ عاجز سے جانے انجانے کسی بھی صورت میں ایسے تمام افراد جن کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی سرزد ہوئی انھیں بھی اس کارِخیر کا ثواب ایصال ہو اور ذاتِ باری تعالیٰ نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے صدقے اپنے فضل وکرم سے اسے بطور قضا وکفارہ شمار فرما کر اُن سب کی اور بندہ عاجز کی مغفرت فرمادے۔ (آمین)

وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْ ۢ بَعْدِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ○

اور وہ لوگ (بھی) جو اُن (مہاجرین وانصار) کے بعد آئے (اور) عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی، جو ایمان لانے میں ہم سے آگے بڑھ گئے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لیے کوئی کینہ اور بغض باقی نہ رکھ۔ اے ہمارے رب! بے شک تو بہت شفقت فرمانے والا بہت رحم فرمانے والا ہے ○ الحشر [59:10]

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی بندگی کے لیے پیدا فرمایا اور دین اسلام کو بندگی کی اساس اور میزان قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کی رہنمائی کے لیے حضرت آدم علیہ السلام تا نبی کریم رؤف ورحیم حضرت محمد ﷺ تک کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ورُسل مبعوث فرمائے اور آسمانی کتابیں نازل فرمائیں۔ تمام انبیاء ورُسل ان آسمانی کتابوں میں دی گئی ہدایت کے مطابق عمل کرتے اور انسانوں کو تعلیم دیتے رہے۔ نبی کریم رؤف ورحیم حضرت محمد ﷺ کے ذریعے دین اسلام کی تکمیل ہوگئی۔ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں اور قرآن کریم آخری آسمانی کتاب ہے۔

اسلام کا پیغام کسی مخصوص زمانے، کسی مخصوص علاقے یا مخصوص لوگوں کی حد تک محدود نہیں۔ اسلام کا پیغام عالمگیر اور آفاقی ہے۔ دین اسلام کے مطابق زندگی کا سفر ہمیشہ جاری رہے گا۔ ہم سب اس دنیا میں آزمائے جانے کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ اس دنیاوی زندگی کے مطابق آخروی زندگی کی راہیں متعین ہوں گی۔ دین اسلام میں جسم اور روح کے باہمی تعلق اور ان کے تقاضوں کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ عصرِ حاضر کا انسان اپنا مقصدِ حیات فراموش کر چکا ہے۔ وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ سے دور ہے بلکہ وہ اپنے آپ سے بھی دور ہے۔ لادینی وملحدانہ فلسفۂ حیات کے تحت ہر کوئی اپنی بدنی، دنیاوی اور مادی ضروریات اور خواہشات کی تکمیل کے لیے کوشاں ہے۔ زیادہ تر لوگ اس مادی طرزِ فکر کی وجہ سے اپنی روح کے تقاضے بھی فراموش کر چکے ہیں۔ وہ روح کے قائل نہیں تو روحانیت کے قائل کیسے ہوں گے۔ ہم مسلمان بھی اس مادی دور میں اپنا مقصدِ حیات فراموش کر چکے ہیں۔

دین اسلام آخروی زندگی میں فلاح و کامیابی کے حصول کے لیے دنیاوی زندگی بسر کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اس کے مطابق ہر انسان کو، خصوصاً مسلمان کو اسلامی تصورِ حیات کے مطابق اپنے بدن اور روح کے تقاضے پیش نظر رکھتے ہوئے دنیا اور آخرت میں کامیابی کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔ **عصرِ حاضر کی ان خرابیوں کے پیشِ نظر اور جدید علوم کے تحقیقی اصول کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے بندۂ عاجز نے اسلامی ضابطۂ حیات، علامہ اقبالؒ کے افکار و تصورات (خصوصاً فلسفۂ خودی)، اسلامی نفسیات اور اسلامی تصوف کے باہم مربوط تعلق کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے تھری آئی سائیکوتھراپی وضع کی ہے جو کہ نفسیاتی، روحانی اور اخلاقی امراض کے طریقۂ علاج پر مشتمل ہے۔ الحمدللہ! یہ سائیکوتھراپی اسلامی فلسفۂ حیات اور اُس کے تقاضوں کے مطابق ہے۔ اسلامیات، اقبالیات، تصوف اور نفسیات کے باہمی ربط پر مبنی یہ تھراپی اسلامی ضابطۂ اخلاق اور اسلامک سپر چوائل ازم کے آفاقی اور عالمگیر اصولوں پر مبنی ہے۔** اس سے نہ صرف ہم مسلمان بلکہ غیر مسلم بھی استفادہ کر سکیں گے اور ان شاءاللہ وہ اس تھراپی کے عملی نتائج سے اطمینان پا کر دین اسلام کے بھی قائل ہو جائیں گے اور اُن میں جن کا نصیب ہوا وہ مسلمان بھی ہو جائیں گے۔ **بندۂ عاجز کو اللہ تعالیٰ نے اس تھراپی پر ریسرچ کرنے اور اسے پیش کرنے کا شرف عطا فرمایا ہے۔ تحقیقی نکتۂ نگاہ سے یہ نفسیات اور روحانی دنیا میں ایک نیا اضافہ ہے۔ آپ کے پیشِ نظر یہ کتاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔**

عظیم علمائے حق اور صوفیائے عظام نے خلقِ خدا کی بہتری کے لیے آیاتِ قرآنی اور مسنون دعاؤں پر مشتمل منازلِ روحانی ترتیب دیں اور پیش کیں جن میں سے 'حزب البحر' اور 'حزب الاعظم' مشہور ومتداول ہیں۔ عصرِ حاضر میں ذاتِ باری تعالیٰ کے فضل وکرم سے بندۂ عاجز نے احادیثِ نبوی ﷺ اور ارشادات ومعمولاتِ صوفیاء کے پیشِ نظر بعد از تحقیق کئی منازلِ روحانی ترتیب دیں، احادیث کے مطابق ان کے فضائل بیان کیے اور انہیں 'حزب النبی ﷺ'، 'حزب الکامل'، 'حزب الاعظم جدید'، 'حزب الحب والتسخیر'، 'حزب الشفائے کامل'، 'حزبِ مریم' اور 'حزب المؤمن' کے نام سے پیش کیا ہے۔ یہ منازلِ روحانی طبِ نبوی ﷺ کے بنیادی اصولوں کے مطابق ترتیب دی گئیں ہیں اور یہ صدیوں پر محیط اسلامی اور روحانی معالجات میں منفرد اضافے اور پیشکش کی حیثیت رکھتی ہیں۔ علمِ تحقیق کی رو سے تحقیق پر مبنی یہ منازلِ روحانی نہایت قدر وقیمت کی حامل ہیں جس کا بین ثبوت وہ تمام احادیثِ مبارکہ ہیں جو ان منازل کے فضائل میں بیان کی گئی ہیں۔ احباب سے درخواست ہے کہ ان منازل کو اپنے معمول میں لے کر آئیں۔ صدقہ جاریہ کی نیت سے ان کو شائع کریں اور تقسیم کریں۔ صوفیائے عظام اور روحانی معالجین سے درخواست ہے کہ وہ ان منازلِ روحانی کی ترویج میں بھرپور کردار ادا کریں تاکہ مخلوقِ خدا ان سے بھرپور استفادہ کر کے فلاحِ دارین حاصل کرے اور ہمارے لیے یہ منازلِ روحانی صدقہ جاریہ بن جائیں۔

طالب دعا

پروفیسر ڈاکٹر محمود علی انجم

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	حمد ونعت	003
	کتاب دوستی	004
	اظہارِ تشکر	005
	انتساب	006
	پیش لفظ	007
	فہرست مضامین	008
	روحانی شخصیات	009
	سلطان الفقراء حضرت قبلہ فقیر نور محمد سروری قادری رحمۃ اللہ علیہ	009
	سلطان الفقراء حضرت قبلہ فقیر عبدالحمید سروری قادری مدظلہ العالی	017
	حضرت خواجہ غلام نصیر الدین رحمۃ اللہ علیہ	026
	نمونہ کلام از مثنوی بدر العرفان فی آثار القرآن (منظوم اردو ترجمہ وتفسیر پارہ اول تا سوم)	031
	نعتِ رسول مقبول ﷺ	035
	منقبت حضرت علیؓ	036
	غزلیات	036
	حضرت میاں محمد مسعود احمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ	038
	فقیرِ اہلِ سنت، گوہر عبدالغفار چشتی صابری رحمۃ اللہ علیہ	044
	نمونہ کلام	046
	نعت شریف (استغاثہ)	046
	مناجات	047
	تایا جی فریاد رحمۃ اللہ علیہ	048
	ڈاکٹر محمد شفیق رحمۃ اللہ علیہ	053
	ماں جی دامت برکاتہم العالیہ	057
	ابا جی حضور رحمۃ اللہ علیہ	061
	حوالہ جات وحواشی	065

روحانی شخصیات

سلطان الفقراء حضرت قبلہ فقیر نور محمد سروری قادری رحمۃ اللہ علیہ

(۱۳۰۳ھ......۲۶ ربیع الثانی ۱۳۸۰ھ)

حضرت قبلہ فقیر نور محمد سروری قادری رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت صوبہ خیبر پختونخوا کے ایک غیر معروف اور دور افتادہ مقام کلاچی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں ۱۳۰۳ھ میں ہُوئی۔ آپ نسل اور نسب کے لحاظ سے پٹھان اور قومیت کے لحاظ سے گنڈاپور تھے۔ گنڈاپور قوم کا سلسلۂ نسب مشہور بزرگ حضرت میر سید گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے جن کا مزار آج کل حیدرآباد دکن میں حسن آباد کے قریب گل برگہ میں مرجعِ خاص وعام ہے۔ اس لحاظ سے گنڈاپور قوم سادات میں سے ہے۔ (1)

حضرت فقیر نور محمد سروری قادری رحمۃ اللہ علیہ کے والد بزرگوار کا اسمِ گرامی الحاج گل محمد رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ جو بہت متقی اور عبادت گزار بزرگ تھے۔ وہ ہر روز دلائل الخیرات پڑھتے تھے۔ ہر رات نمازِ تہجد اور نمازِ صلوٰۃ تسبیح پڑھا کرتے تھے۔ ہر آٹھویں روز قرآن مجید ختم کرتے تھے۔ ان کا زندگی بھر یہی معمول رہا۔ وہ عربی اور فارسی کے عالم تھے۔ انہیں تین مرتبہ حج بیت اللہ شریف کا شرف حاصل ہُوا۔ چار شادیاں کیں تھیں۔ تین بیویوں سے اولاد ہوئی تھی۔ دربار حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ پر باقاعدگی کے ساتھ حاضری دیتے تھے اور حضرت صالح محمد رحمۃ اللہ کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی۔ انہوں نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی حضرت صالح محمد رحمۃ اللہ کا بیعت کرادیا تھا۔ بیعت کے وقت ابھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کم سن ہی تھی۔ (2)

مدح خاں رحمۃ اللہ علیہ کلاچی کے ایک خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ انہیں فقیر نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کے والد بزرگوار سے خاص اُنس تھی۔ ایک دن انہوں نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد کو بشارت اور مبارک باد دی کہ ''حاجی صاحب! یہ فرزند خود بھی اللہ تعالیٰ کا باکمال ولی بنے گا اور آپ کو بھی اولیاء اللہ کے زمرے میں شامل کرنے کا باعث بنے گا۔'' (3)

حضرت قبلہ فقیر نور محمد سروری قادری رحمۃ اللہ علیہ کا بچپن دوسروں سے مختلف تھا۔ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ چھ سات سال کے تھے اور دوسرے بچوں کے ساتھ گلی میں کھیلا کرتے تھے تو کبھی کبھی آپ رحمۃ اللہ علیہ پر ایک عجب روحانی کیفیت طاری ہوجایا کرتی تھی۔ جب آپ رحمۃ اللہ آسمان کی طرف نگاہ کرتے تو بے ہوش ہو کر گر پڑتے۔ کچھ دیر بعد یہ کیفیت خود بخود ختم ہوجاتی تھی اور آپ اٹھ کر اچھے بھلے ہو جاتے۔ یہ حالت کالج کے زمانے تک باقی رہی لیکن اس کی نوعیت بدل گئی تھی۔ اس زمانے میں حالت یہ تھی کہ جب آپ رحمۃ اللہ اپنے دونوں ابروؤں کے درمیان آنکھیں بند کر کے توجہ مرکوز کرتے تھے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ پر ایک قسم کی بے خودی اور بے ہوشی طاری ہوجاتی اور اس میں عجیب وغریب باطنی نظارے اور روحانی مناظر نظر آتے۔ یہ مراقبے کی ابتدائی صورت تھی۔ جب آپ رحمۃ اللہ کو مراقبے پر مکمل عبور حاصل ہوگیا تو یہ حالت خود بخود ختم ہوگئی۔ (4)

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی تعلیم کلاچی میں پائی۔ مڈل کے امتحان میں آپ صوبہ بھر میں اول آئے تھے۔ میٹرک بھی کلاچی ہی میں کیا۔ عربی وفارسی گھر پر اپنے والد محترم سے پڑھتے رہے۔ اعلیٰ تعلیمی کارکردگی کی بدولت، پانچویں جماعت سے لے کر ایف اے تک آپ رحمۃ اللہ کو باقاعدہ وظیفہ ملتا رہا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایف اے کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے اسلامیہ کالج لاہور میں داخلہ لیا اور وہاں

ہاسٹل میں رہائش اختیار کر لی۔ وہاں دورانِ تعلیم مسلسل آپ روحانی کیفیات سے گزرتے رہے۔ سوزِ باطنی کی بدولت اکثر گریہ کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ ان کیفیات سے مغلوب ہو کر آپ نے بالآخر سلسلہ تعلیم ترک کیا اور حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ اقدس پر پہنچ گئے اور درویشی اختیار کر لی۔ اس وقت حضرت صالح رحمۃ اللہ علیہ وفات پا چکے تھے اور حضرت نور احمد رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین تھے۔ حضرت قبلہ فقیر نور محمد سروری قادری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت نور احمد رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ مبارک پر تجدید بیعت کر لی اور ان سے خلافت پائی۔ ان کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے امیر سلطان رحمۃ اللہ علیہ کا دور آیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ ان کے بھی خاص مصاحب اور ہم نشین رہے اور صاحبزادگان کے برسوں اتالیقِ خاص رہے۔ وہاں آپ برسوں عبادت و ریاضت میں مصروف رہے۔ ذوقِ جستجو کی بدولت آپ رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی تیس چالیس کے قریب مختلف قلمی کتابیں مل گئیں۔ آپ نے انہیں کئی کئی بار نقل کیا اور سینکڑوں باران کا مطالعہ کیا۔ ان کتابوں کو آپ نے اپنا پیرِ صحبت بنایا اور انہی سے سب کچھ حاصل کیا۔(5)

ان کتابوں کی کتابت کے دوران ان سے ایسے روحانی نسبت قائم ہوگئی کہ دن کے وقت آپ رحمۃ اللہ علیہ کو سلوک کے جس مقام، حال، منزل، درجے، مرتبے اور باطنی و روحانی معاملے اور واقعے کو لکھنے اور تحریر کرنے کا اتفاق ہوتا رات کو سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کی باطنی نگاہ سے وہ منزل اور مقام طے ہو جاتا اور ہر تحریر شدہ باطنی معاملہ اور واقعہ آپ پر وارد اور منکشف ہو جاتا۔ اس طرح آپ نے انہی ایام میں ہی وہ تمام درجات اور مراتب حاصل کر لیے جو سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں میں درج ہیں۔ اس طرح آپ سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے بے مثل، بے بدل اور لازوال فقر کے کامل مظہر، مکمل نمونہ اور کما حقہٗ آئینہ دار بن گئے۔(6)

ریاضت و مجاہدہ، خدمتِ خلق، اسمِ ذات اور اسمِ نبی کریم ﷺ سے نسبتِ روحانی میں پختگی اور گہرائی کی بدولت روحانی ارتقا کا سفر تیزی سے طے ہوتا رہا۔ اس دوران آپ کو بغداد شریف میں اپنے والدِ محترم رحمۃ اللہ علیہ اور دو بھائیوں کے ہمراہ حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ وہاں حاضری کے ایام میں حضرت پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کی محفلِ خاص اور باطنی خصوصی کچہری میں حاضری ہوئی اور وہاں سے غیر مخلوق نور فقرِ محمدی ﷺ کی عظیم الشان لازوال دولت نصیب ہوئی۔(7)

سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ کی بدولت دعوتِ کلید حاصل ہوئی اور آپ کو 'مقامِ کن فیکون' پر فائز کیا گیا۔ دعوتِ کلید کے حصول کے ضمن میں حضرت قبلہ فقیر نور محمد سروری قادری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''..... اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت سے بعض سعادت منداصحاب کے وجود میں ایک ایسی پاک نوری لطیف شخصیت پیدا ہو جاتی ہے جس سے وہ باطن کی لطیف غیبی دنیا میں طیر سیر کرتے ہیں۔ اسے لطیفہ کہتے ہیں۔ عارف کامل جب اس لطیفے کی زبان سے ذکر کرتا ہے یا قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے تو اس لطیف زبان کے ذکر اور دعوتِ قرآن سے اس لطیف غیبی دنیا کا دروازہ کھولنے کی کلید اور کنجی بن جاتی ہے اور عارف کامل اس لطیف عالم اور غیبی دنیا میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس ضمن میں آپ نے اپنا ایک واقعہ عرفان حصہ دوم میں یوں لکھا ہے کہ'' میں نے جب سورۂ مزمل کی دعوت پڑھنی شروع کی تو مزار حضرت سلطان العارفین پر ہر رات مخصوص تعداد میں سورۂ مزمل پڑھتا رہا۔ ایک دن توفیقِ ایزدی سے میں نے ترکِ دنیا اور ایثارِ نفس کا ایک خاص مظاہرہ کیا۔ جس سے حضرت سلطان العارفین کی روح پرفتوح خوش ہوئی۔ اس رات حسبِ معمول جب میں نے مزار مبارک کے پاس کھڑے ہو کر سورۂ مزمل کی دعوت پڑھی اور واپس آ کر اپنی جگہ پر لیٹ گیا تو میں نے باطن میں دیکھا کہ میرے جسمِ عنصری سے ایک لطیف جسم باہر نکل آیا اور باہر نکلتے ہی اس نے اپنی لطیف زبان سے ایک دفعہ درود شریف پھر سورۂ فاتحہ اور پھر درود شریف ادا کیا۔ اس طرح سورۂ فاتحہ پڑھتے ہی مجھ پر ایک عالمِ غیب کا دروازہ کھل گیا۔ میں نے دیکھا کہ میرا وہ لطیف جسم بقائمی تمام ہوش و حواس غیب کی دنیا میں داخل ہو گیا۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ میرے نیچے کوئی سواری ہے۔ اُس سواری نے مجھے کہا کہ کہاں جانے کا ارادہ ہے۔ میں نے جواب دیا حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے کا اشتیاق ہے۔ اس پر وہ سواری مجھے اوپر کی طرف اڑا کر لے گئی اور میں مختلف مقامات سے گزر کر ایک بالا خانے پہنچا جس کے تین سبز رنگ کے دریچے تھے۔ ان میں سے درمیان والے دریچے کے سامنے لا کر مجھے کھڑا کر دیا اور خود وہ سواری اس دریچے کے اندر داخل ہوگئی۔ تھوڑی دیر میں دریچہ کھل گیا اور اس میں سے ایک چاند جیسے نہایت نورانی چہرے والے بزرگ نمودار ہوئے۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرائے۔ ان کی مسکراہٹ سے وہ سارا مکان روشن ہو گیا۔ میں نے ان پر سلام کہا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا اور مجھے واپسی کی اجازت فرمائی۔ اس کے بعد وہ باطنی سواری مجھے وہاں سے اڑا کر

واپس لے آئی۔ جب میں اپنے جسمِ عنصری کے قریب پہنچا تو اسے بدستور بے حس وحرکت محوِ خواب پایا۔ پھر میرا باطنی لطیف جثہ اپنے جسم عنصری کے اندر داخل ہوااور اسے لباس کی طرح پہن لیا۔ عالمِ غیب کی اس باطنی طیر سیر کے وقت میرے تمام ہوش وحواس بالکل بجا تھے اور میں پوری طرح عالم بیداری میں تھا۔ خواب وخیال کا اس میں مطلق شائبہ تک نہ تھا۔ اس طرح مجھے دعوت سورۂ مزمل کی ظاہری اور سورۂ فاتحہ کی باطنی غیبی مفتاح اور کلید حاصل ہوگئی۔ اس کے بعد جب کبھی کسی روحانی اہلِ قبر کی قبر پر رات کو جا کر سورۂ مزمل کی دعوت پڑھ کر مراقبہ کرتا یا سوجاتا تو میرا باطنی لطیفہ حسبِ سابق زبان سے ایک دفعہ درود شریف، بعدہٗ سورۂ فاتحہ اور پھر درود شریف پڑھ کر جسمِ عنصری سے باہر آجاتا اور بحرِ عالمِ غیب میں ڈوب جاتا اور اہلِ قبر روحانی ملاقی، ہم سخن اور ہم کلام ہوجاتا اور میں اس روحانی سے اپنے مقاصد ومطالب میں استمداد کرتا، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اور اپنے روحانی مربی اور باطنی پیشوا کی جناب سے سورۂ مزمل اور سورۂ فاتحہ کی کلید اور مفتاحِ غیب کے حصول سے قبل کئی مرتبہ مزاروں پر سورۂ مزمل اور سورۂ فاتحہ پڑھتا رہا لیکن رسمی اور ظاہری زبانی تلاوت سے نہ کبھی باطنی اور غیبی دروازے کھلے اور نہ ہی روحانی سے ملاقات ہوئی۔ اس طرح رسمی رواجی اور ظاہری زبانی طور پر اگر کوئی شخص تمام عمر کسی روحانی کی قبر پر دعوتِ قرآن اور فاتحہ پڑھے اس کی ہرگز روحانی سے ملاقات نہیں ہوتی اور نہ بغیر عطائے کلید دعوت کسی پر عالمِ غیب کے دروازے کھل سکتے ہیں۔ تمام قرآنی سورتیں، آیات اسماء الحسنیٰ، اسم اللہ ذات، کلمہ طیبہ اور دیگر کلمات طیبات عالمِ غیب کے لیے مفاتیح اور کلیدات کا حکم رکھتے ہیں۔'' (8)

مقامِ کن فیکون پر فائز ہونے کا روحانی معاملہ بیان کرتے ہوئے، حضرت قبلہ فقیر نور محمد سروری قادری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ایک دفعہ مجھے اثنائے سلوک میں چند روز علمِ جفر سیکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ ان دنوں میں اپنے روحانی مربی حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ پرانوار پر مقیم تھا۔ ایک رات میں نے واقعے میں دیکھا کہ حضرت کی خانقاہ پر لمبی شیروانی پہنے ہندوستانی وضع کے ایک لمبے قد والے بزرگ تشریف لائے ہیں۔ لوگ ان کی طرف انگلیوں سے اشارہ کرکے کہتے ہیں کہ یہ شخص آج کل دنیا میں سب سے بڑے جفار یعنی علم جفر کے ماہر ہیں۔ وہ بزرگ میرے پاس آئے۔ جب میں ان کو سلام کرکے ملا تو انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ آپ کا ارادہ علمِ جفر سیکھنے کا ہے؟ میں نے کہا ہاں میرا خیال تو ہے کہ میں علمِ جفر سیکھ لوں۔ اس بزرگ نے کہا آیئے تاکہ میں سارا علمِ جفر آپ کو سکھا دوں۔ چنانچہ وہ میرا ہاتھ پکڑ کر حضرت سلطان العارفین کے مزار اور مسجد کے سامنے بڑے چبوترے پر لے گئے۔ جہاں ایک بڑی الماری کھڑی تھی۔ اُس بزرگ نے جب الماری کا دروازہ کھولا تو اس میں ایک بڑی لوح یعنی ایک عجیب وغریب منقش تختہ نمودار ہوا۔ جس میں جلی قلم سے رنگ برنگ خوشخط ابجد کے حروف مرقوم تھے۔ اور نیز اس میں اپنے اپنے مناسب مقامات پر بارہ بروج اور سات ستاروں کے نام لکھے ہوئے تھے اور ان پر ستار کی طرح آر پار تاریں لگی ہوئی تھیں۔ غرض قدرت کا ایک نہایت خوشنما نقشہ تھا جو اس الماری میں جگمگا رہا تھا۔ اس بزرگ کے ہاتھ میں ایک چھڑی (پوائنٹر) تھی جس سے انہوں نے اس تختے کی طرف اشارہ کرکے کہا یہ وہ لوحِ قدرت ہے جس میں تمام علمِ جفر مندرج ہے۔ اب دیکھیے میں اس سے ایک عمل کرکے آپ کو دکھاتا ہوں۔ بعدہٗ آپ کو یہ سارا علم سکھا دوں گا۔ اُس وقت میں نے دیکھا ایک آٹھ دس سال کا لڑکا سامنے کھڑا تھا۔ اس بزرگ نے فرمایا دیکھیے میں علمِ جفر کے ذریعے اس لڑکے کو گم کرتا ہوں۔ چنانچہ اس نے اپنے ہاتھ کی چھڑی اس لوح کی ایک تار پر دے ماری جہاں عطارد کا لفظ مرقوم تھا۔ اس سے ایک عجیب آواز نکلی۔ میں نے دیکھا وہ لڑکا غائب ہوگیا۔ تب وہ میرا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگے آیئے میں آپ کو سارا علمِ جفر القا کردوں۔ چنانچہ وہ مجھے چبوترے کی طرف لے گئے۔ جہاں اب تالاب بنا ہوا ہے۔ انہوں نے ایک ہاتھ سے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور دوسرا ہاتھ اپنی داڑھی پر رکھ کر آنکھیں بند کرلیں اور مجھے توجہ دینے لگے۔ عین اسی وقت میں نے دیکھا حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ اپنے مزارِ مقدس سے گھوڑے پر سوار نورانی چہرے اور حنائی ریش مبارک کے ساتھ نمودار ہوئے اور مجھے اپنے ہاتھ سے اشارے کرکے بلا لیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا گویا میں اڑ کر حضور کے پاس پہنچا۔ آپ نے گھوڑے سے اتر کر میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: ''بیٹا! علمِ جفر حساب کتاب اور بکھیڑوں کا کام ہے۔ آ تاکہ میں تجھے ایک جامع اور بہترین علم سکھا دوں''۔ میں نے عرض کیا کمال ذرہ نوازی ہوگی۔ تب آپ نے فرمایا دیکھو وہ لڑکا جو علمِ جفر کے ذریعے گم ہوگیا ہے میں ایک نظر سے اُسے دوبارہ پیدا کرتا ہوں۔ اس وقت میں نے حضور کے چہرۂ مبارک کی طرف نگاہ ڈالی تو میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں کے اوپر یعنی دونوں ابروؤں کے برابر حرف 'ک' اور حرف 'ن' نوری آف تابی رنگ سے مرقوم تھا اور وہ ستاروں کی طرح چمک دمک دکھا رہے تھے۔ جب آنحضرت نے اس زمین پر نگاہ ڈالی جہاں وہ لڑکا غائب ہوا تھا تو آپ کی آنکھوں سے ایک شعلہ نکلا اور اس زمین پر نوری حروف سے لفظ 'کن' مرقوم نظر آیا۔ اس وقت ایسا معلوم ہوا کہ اس زمین میں حرکت آگئی ہے اور اس پر سے پے در پے پردے اٹھ رہے ہیں اور پھر وہ لڑکا ایک دم نمودار ہوگیا۔ آنحضرت نے فرمایا کیا یہ علم، علمِ جفر سے بہتر نہیں ہے۔ میں نے عرض کی جناب یہ تو اعلیٰ ترین علم ہے۔ اس پر حضور نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا

آؤ میں تمہیں یہ علم بھی عطا کردوں۔ چنانچہ اس عاجز کو وہ خانقاہ کے اندر لے گئے۔ اس وقت مجھے اپنا چہرہ نظر آیا اور مجھے اپنی آنکھوں کے اوپر اور ابروؤں کے برابر بعینہٖ آنحضرت کی طرح حرف 'ک' اور حرف 'ن' نوری آفتابی رنگ سے مرقوم نظر آئے۔ اس کے بعد جب بھی میں کسی کام کی طرف خیال کرتا تھا تو اس کام کے ہونے والے محل اور مقام پر لفظ 'کن' مرقوم نظر آتا تھا اور وہ کام اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اپنے مربّی کی نظرِ عنایت سے تکمیل پذیر ہوتا ہوا نظر آتا تھا اور بعدہٗ سب کام اپنے اپنے وقت پر نہایت آسانی سے باحسن وجوہ تکمیل تک پہنچتے۔''(9)

دعوتِ کلید کی بدولت آپ کے روحانی دنیا میں وسیع رابطے قائم ہوگئے۔ آپ روئے زمین کے روحانیوں سے ان کے برزخی مقام میں ملاقات کرنے لگے اور ان سے فیوض و برکات حاصل ہونے لگے۔ اس دعوت کی بدولت طے لسانی و طے زمانی، سلب الاحوال اور سلب الامراض کے تصرفات حاصل ہوئے۔ آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاص قرب حاصل ہوگیا۔ اس ضمن میں حضرت قبلہ فقیر نور محمد سروری قادری مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں:

''ایک دفعہ میں نے واقعے میں دیکھا کہ ایک بہت بڑی کچی مسجد ہے جس میں حضرت سرورِ کائنات ﷺ امامت فرما رہے ہیں اور چند انبیاء اور اصحاب کبار حضور ﷺ کے پیچھے مقتدی بن کر نماز ادا کررہے ہیں۔ اس نماز میں ایسی لذت آرہی ہے کہ ہم تمام انتہائے وجد و سرور میں کھڑے جھوم رہے ہیں۔ جب آنحضرت ﷺ نماز پڑھ چکے تو قبلہ رو ہو کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ حضور ﷺ دعا سے فارغ ہوئے تو اس فقیر نے اٹھ کر درخواست کی یا حضرت ﷺ! اس جماعت میں صرف چند انبیاء اور اصحابِ کبار موجود ہیں۔ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا فرمائیں کہ مجھے تمام انبیاء کی زیارت اور ملاقات کا شرف حاصل ہوجائے۔ حضور ﷺ نے دوبارہ اپنے دستِ مبارک دعا کے لیے اٹھائے۔ میں نے دیکھا میں مسجد کے باہر والے چبوترے میں قبلہ رخ کھڑا ہوں اور دائیں طرف سے تمام انبیائے کرام ایک قطار میں میری طرف آرہے ہیں اور مجھ سے مصافحہ کرکے گزر رہے ہیں۔ چنانچہ میں نے ہر نبی کو آنحضرت ﷺ کے طفیل قدرت کی الگ الگ شان اور آن اور اپنی اپنی صفت کے علیحدہ رنگ ڈھنگ اور حسنِ اعمال وافعال کی جدا چال اور حال میں دیکھا۔''

حضرت قبلہ فقیر نور محمد رحمۃ اللہ علیہ خوش الحانی اور خوش آواز کو بہت پسند کرتے خصوصاً کلام پاک کو سریلی آواز میں سننا آپ کو بہت مرغوب تھا۔ آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں دوپہر کے وقت محوِ استراحت تھا کہ میں نے دیکھا حضور سرورِ کائنات ﷺ تشریف لائے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا حضرت آپ کی زبانِ مبارک سے قرآن شریف سننے کو جی چاہتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے قرآن پاک پڑھنا شروع کیا تو انتہائی لطف وکیف سے مجھ پر گریہ طاری ہوگیا۔ میں نے کبھی ایسی روح پرور اور اثر آفرین تلاوتِ قرآن نہیں سنی۔

آپ نے جب یہ پڑھا کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ گھوڑے پر سوار ہوتے تو ایک رکاب سے دوسری رکاب میں پیر رکھتے وقت قرآن شریف ختم کرلیا کرتے تھے۔ اس سے آپ کو کچھ تعجب سا ہوا اور سوچنے لگے کہ اگر انتہائی سرعت کے ساتھ قرآن شریف پڑھا جائے تو بھی اتنے کم وقت میں کسی طرح بھی قرآن شریف ختم نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی توجیہہ کسی طرح آپ کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی اور بڑے متردد تھے۔ اسی رات خواب میں آپ نے دیکھا کہ آپ حضرت سلطان العارفین کے مزار کے اندر کھڑے ہیں۔ سلطان العارفین مزار سے گھوڑے پر نمودار ہوئے اور آپ کی طرف بھرپور توجہ سے دیکھا۔ اس سے آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی اور آپ کا بال بال تلاوتِ قرآن کرنے لگا۔ آپ نے محسوس کیا کہ اس ایک لمحے کے اندر کئی بار قرآن ختم ہوگیا۔ آپ خواب سے بیدار ہوئے تو وہ معمہ حل ہو چکا تھا۔ آپ کو یقین ہوگیا کہ اس طرح ایک پل میں بلکہ اس سے بھی کم عرصے میں قرآن شریف ختم ہوسکتا ہے اور حضرت علیؓ کے ختمِ قرآن کی بھی یہی کیفیت تھی۔ اگر بدن کا ہر بال قرآن پڑھنے لگ جائے تو ہر بال کے حصے میں ایک حرف بھی مشکل سے آتا ہے۔ اس طرح ایک پل میں ایک نہیں کئی ختم ہوسکتے ہیں۔(10)

سلطان العارفین، حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے کامل اتباع کی بدولت، بفضلِ تعالیٰ، آپ سلطان الفقراء کے بلند وارفع مقام پر فائز ہوئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ بابرکات سے ہزاروں گم گشتگانِ بادیہ ضلالت کی رہنمائی ہوئی۔ ہزاروں عقیدت مندوں کو آپ رحمۃ اللہ علیہ کا روحانی فیض پہنچا اور ہزاروں اشخاص آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں پر ہدایت پا کر راہِ راست پر آگئے۔ بہت سے ملحد اور منکرین الحاد اور دہریت چھوڑ کر پکے مسلمان اور خدا پرست بن گئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ارادت مند پوری دنیا میں موجود ہیں۔

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تیس سالہ حاصلِ مطالعہ اور حاصلِ تحقیق کو عرفان (حصہ اول وحصہ دوم) کی صورت میں ضبطِ تحریر کیا اور افادۂ عام کے لیے طبع کرایا۔ اس کتاب کو نہایت تھوڑے عرصہ میں عالمگیر شہرت حاصل ہوئی۔ ''عرفان'' کے علاوہ آپ نے کچھ اور کتابیں بھی تصنیف وتالیف فرمائی ہیں۔ ان میں مخزن الاسرار، حق نما (نور الہدیٰ)، انوارِ سلطانی اور کنز الانوار (عقل بیدار) قابلِ ذکر ہیں۔ مخزن الاسرار سروری قادری سلوک اور اوراد ووظائف کے بیان پر مشتمل ہے۔ اس میں حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ روحی اور اس کی شرح بھی شامل ہے۔ حق نما حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی فارسی کتاب نور الہدیٰ کا خوبصورت اردو ترجمہ اور تشریح ہے۔ کنز الانوار حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی فارسی کتاب عقلِ بیدار کا ترجمہ اور تشریح ہے۔ انوارِ سلطانی، ابیاتِ باہو رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ اور تشریح ہے۔ (11)

آپ رحمۃ اللہ علیہ نثر نویسی کے علاوہ بہت رواں اور پختہ شعر بھی کہتے تھے۔ اردو، فارسی اور پشتو، تینوں زبانوں میں شعر کہہ لیتے تھے۔ ۱۹۴۱ء میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کلاچی سے ''نور الاسلام'' کے نام سے ایک ماہوار مجلّہ بھی جاری کیا تھا لیکن نامساعد حالات کے باعث وہ جاری نہ رہ سکا۔ اس کی ادارت آپ رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے تھے۔ (12)

روحانی ارتقا کی بدولت سالک راہِ حق کو ذہنی، نفسیاتی، اخلاقی اور فکری ارتقا بھی حاصل ہوتا ہے۔ اسے حکمتِ روحانی عطا ہوتی ہے۔ اس کی بدولت اسے شرعی، فقہی اور روحانی معاملات اور مسائل کی گہرائی تک رسائی حاصل ہو جاتی ہے۔ حضرت قبلہ فقیر نور محمد سروری قادری رحمۃ اللہ علیہ کو برسوں کے ریاضت ومجاہدہ اور غور وفکر کی وجہ سے خاص الخاص روحانی شعور وادراک حاصل ہو گیا تھا۔ ان کی سوانح نمری ''حیاتِ سروری''، مرتبہ، مرشدِ من حضرت قبلہ فقیر عبدالحمید سروری قادری رحمۃ اللہ علیہ میں اس سلسلہ میں بہت سے واقعات موجود ہیں۔

۱۹۴۲ء کو حیدر آباد دکن میں نواب مرزا یار جنگ بہادر وزیرِ مذہبی امور نے اپنے احباب کو حضرت قبلہ فقیر نور محمد کلاچی رحمۃ اللہ علیہ سے متعارف کرانے کے لیے اپنی قیام گاہ میں ایک پرتکلف اور شاہانہ دعوت کا اہتمام کیا۔ اس دعوت میں متحدہ ہندوستان کی سب سے بڑی، متمول اور نظاموں کی ریاست کے اکثر اکابرینِ ریاست، بلند پایہ دانشور، مدبر، قانون دان، ماہرینِ تعلیم، علماء اور سیاست دان شریک تھے۔ بہت سے سربر آوردہ وکلاء، بیرسٹر اور جج صاحبان کے علاوہ وہاں کے چیف جسٹس صفدر یار جنگ بھی مدعو تھے۔ سب لوگ حضرت قبلہ فقیر نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کے عارفانہ معیار اور روحانی علمیت کا جائزہ لینے آئے تھے۔ اس محفل میں موجود جامعہ الازہر کے فارغ التحصیل اور وحدت الوجود کے فلسفے کے ماہر ایک عالم نے وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے متعلق کچھ سوالات کیے۔ حضرت قبلہ نے فرمایا:

> ''وحدت الوجود کی مثال ایسی ہے کہ ایک آدمی دن کے وقت آسمان پر ہر طرف سورج کی روشنی محیط پاتا ہے اور اس روشنی میں اسے ستارے اور سیارے معدوم نظر آتے ہیں۔ حالانکہ دن کے وقت آسمان پر ستارے اور سیارے موجود ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس وحدت الشہود کے نظریے کی مثال ایسی ہے کہ ایک آدمی دن کے وقت سورج کو بھی دیکھ سکتا ہے اور نگاہ کی تیزی اور وسعت کے باعث ستاروں اور سیاروں کو بھی ساتھ ساتھ دیکھ سکتا ہے۔ ثانی الذکر آدمی اول الذکر آدمی کی نسبت زیادہ حقیقت بین اور صحیح النظر واقع ہوا ہے اور یہ انبیا کا مذہب ہے۔ جنہیں نورِ وحدت کے سورج کی روشنی میں کثرت کے ستارے بھی صاف طور پر نظر آتے ہیں۔ مزید فرمایا کہ ازل کے روز جب بعض ارواح پر اللہ تعالیٰ کے نور کی تجلی ہوئی تو ان کی نظر اس تجلی کے نور سے خیرہ ہو گئی۔ انہوں نے دنیا میں آ کر بغیر نفی کے اللہ تعالیٰ کو ثابت کیا اور ہر شے میں اس کا پرتو دیکھ کر مختلف مظاہر قدرت کو ذاتِ واجب الوجود تصور کیا۔ یہ مشرب ہمہ اوست اور وحدت الوجود کا ہے۔ جو لغزشوں اور رجعتوں سے پُر ہے۔ پھر مشربِ ہمہ اوست اگر توحیدی اور حالی ہے تو اس کے جواز کی صورت ہو سکتی ہے۔ لیکن عوام اہلِ تقلید لوگ اس مشرب میں بڑی بھاری لغزش کھا جاتے ہیں اور کائنات کی ہر شے کو ذاتِ واجب الوجود کا مظہر خیال کر کے اس کے پوجنے اور پرستش کرنے کا جواز نکال لیتے ہیں۔ پیر پرستی، حسن پرستی، بت پرستی، قبر پرستی، سورج پرستی، آتش پرستی اور اوتار پرستی وغیرہ کے جواز یہیں سے نکلتے ہیں۔ منصور کا انا الحق اگرچہ حالی تھا تب بھی شریعت نے مواخذہ کر کے اسے سولی پر چڑھا دیا۔ مگر فرعون کا اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی O (النّٰزعٰت ۷۹:۲۴) دجّالی تھا کیونکہ نفسانی لوگوں کا کبر اور انانیت نفس سے روا ہوتی ہے اور اہل اللہ لوگوں کی انا اور کبر ذات سے ہوتا ہے۔ اس مشرب میں جو لوگ اہلِ توحید ہیں وہ مجذوبین، معذورین کہلاتے ہیں اور جو لوگ اہلِ تقلید صاحب قیل وقال ہیں وہ ضالین اور راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ اس کے برعکس ہمہ از وست اور وحدت الشہود کا عقیدہ رکھنے والے زیادہ بلند حوصلہ، قوی استعداد اور دور بین واقع ہوئے ہیں۔

ان کی ارواح اور قلوب پر روزِ ازل میں اَلَسْت کی تجلی ہوئی تو دنیا میں بھی ان لوگوں نے وعدہ بلٰی کو کماحقہٗ ایفا کیا۔ ان لوگوں نے نورِ حق کو مقامِ ربوبیت میں اور اپنے وجود کو مقامِ عبودیت میں الگ الگ دیکھا۔ انہوں نے دنیا میں آ کر دل و جان سے اس کی ربوبیت کا اظہار کیا اور اپنی عبودیت کا ظاہری و باطنی اور عملی اور علمی طور پر اقرار کیا۔ ان لوگوں نے اپنے حادث وجود میں اس کے قدیم رنگ سے اس کی معرفت اور شناخت کا فائدہ اٹھایا اور اسی کے شمعِ جمال پر پروانہ وار جل کر اپنے آپ کو اس پر مٹایا اور اپنے تمام غیر اور ماسوا مطلوبوں اور کل نفسانی مقصودوں اور جملہ فانی معبودوں کی نفی کر کے اس کی ذات واجب الوجود کو ثابت کیا اور اپنے آپ کو اس کی ذات حی و قیوم میں فنا کر کے اس کے وصل اور مشاہدے سے جامِ بقا پیا۔ یہ فرقہ محبوبین، ہمہ از وست اور وحدت الشہود کا ہے۔ آپ نے کہا کہ ہم اسی نظریے اور عقیدے کے قائل ہیں اور یہی سب سے صحیح ہے۔ یہی نظریہ اہل سنت و جماعت اور ہلِ حق کا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ سب کچھ اسی سے ہے اور وہ سب کا خالق ہے۔ اس کی ذات مخلوق کے گرد و غبار سے پاک اور منزہ ہے۔ قرآن پاک میں آیا ہے: فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (محمد ﷺ ۴۷:۱۹) یعنی اس بات کو جان لے کہ اس کی ذات واجب الوجود کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اس میں غیر معبودوں کی نفی ہے پھر اثبات ہے اور یہی صراطِ مستقیم ہے اور یہی اصل توحید اور معرفتِ ذات ہے۔ اس مدلّل جواب سے سائل کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اس کی پوری تسلی اور تشفی ہوگئی اور اس سے مزید کوئی سوال نہ بن پڑا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ سائل پورا علامہ تھا۔ جامعۂ ازہر کا فارغ التحصیل تھا اور وحدت الوجود کے فلسفے کا بڑا ماہر اور عالم تھا۔ حاضرین پر سکوت طاری تھا اور وہ دم سادھے اس علمی اور دقیق بحث کو سن رہے تھے۔.....

ایک دوسرے صاحب نے خلفائے راشدین کے بارے میں ایک بہت پیچیدہ سا سوال کیا اور کہا کہ کون سے خلیفہ افضل ہیں۔ اس نے کہا جیسے رسولوں اور نبیوں کے درجات ہیں اور ان میں فرق مراتب ہے اور ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے جیسے کہ قرآن کہتا ہے۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ م (البقرۃ ۲:۲۵۳) خلفا میں سے بھی ہمیں بعض پر بعض کی فضیلت کا تعین کرنا ہوگا۔ اس سوال کے جواب میں بڑی احتیاط کی ضرورت تھی کیونکہ مجمع میں مختلف عقائد کے لوگ موجود تھے۔ سائل تفضیلی شیعہ معلوم ہوتے تھے۔ بڑے پائے کے عالم تھے اور وہ اس سلسلے میں ایک فقیر اور درویش کے خیالات معلوم کرنا چاہتے تھے اور مجمع میں ایک خاص تأثر پیدا کرنے کے خواہش مند تھے۔ اس سے بڑا اختلاف اور کشیدگی پیدا ہو سکتی تھی اور بدمزگی کا احتمال تھا۔ آپ نے اس کے جواب میں کچھ توقف اور تامل فرمایا اور ایک ایسے جواب کے متوازن الفاظ کا انتخاب کیا جس سے رنجش اور کشیدگی پیدا ہوئے بغیر سائل کی تسلی ہو جائے اور اسے صحیح جواب مل جائے۔ آپ نے فرمایا کہ خلفا کا آپس میں مقابلہ نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی ان کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو الگ الگ کمالات اور صفات ودیعت فرمائی تھیں اور مختلف کمالات اور صفات کی آپس میں نہ کوئی نسبت قائم کی جا سکتی ہے اور نہ ہی ان کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح ظاہر میں مختلف فنون اور کمالات ہیں اسی طرح باطن میں بھی الگ الگ ہنر اور کمالات ہیں اور ایک ہنر دوسرے ہنر اور کمال سے کوئی نسبت اور لگاؤ نہیں رکھتا۔ مثلاً دنیا میں بعض اشخاص خوشخطی میں کمال رکھتے ہیں، بعض خوش الحانی میں ماہر ہیں، بعض پہلوانی میں یگانۂ روزگار ہیں، بعض خیاط ہیں اور بعض معمار۔ ان مختلف فنون اور کمالات والوں کا آپس میں مقابلہ کرنا نادانی ہے۔ مثلاً یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فلاں خوش نویس اور فلاں گویے میں کون بہتر اور کون افضل ہے یا فلاں خیاط اور فلاں پہلوان میں کون بڑھ کر ہے۔ کیونکہ یہ شعبے ہی مختلف ہیں۔ اسی طرح خلفائے راشدین اور اصحابِ کبار میں سے بعض عدل میں، بعض حیا میں، بعض علم میں، بعض جود و سخا میں اور بعض شجاعت میں یگانۂ روزگار ہوئے ہیں۔ سب کو اپنے اپنے مختلف فن، صفت اور ہنر میں کمال حاصل تھا۔ آپ ان کا مقابلہ کس طرح کراتے ہیں۔ ہم سب کا کمال الگ الگ تسلیم کرتے ہیں۔ ان کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ وہ کسی ایک فن اور کمال میں مشترک اور متقابل نہیں تھے۔ ان کا تقابل کرانے سے ہمارا اپنا مقابلہ اور مجادلہ اور لڑائی جھگڑا شروع ہو جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ بغض و عناد اور کشیدگی و رنجش کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ صحابہ سب ستاروں کی طرح روشن ہیں۔ ان میں سے جس کی بھی جس باب میں تقلید کی جائے ہدایت اور فلاح کا باعث ہے۔ صَحَابِیْ كَالنُّجُوْمِ فَبِاَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ ۔ خود مرزا یار جنگ بہادر نے ایک عجیب سا سوال کیا۔ انہوں نے کہا کہ قدرت نے ہر چیز کو اپنا اپنا مقام اور اپنا اپنا کام سونپا ہے۔ ستارے اپنے مقام پر کھڑے اپنا فرض انجام دے رہے ہیں۔ ہوائیں اپنا کام کر رہی ہیں۔ نباتات، جمادات اور دیگر اشیا اپنے اپنے طور پر قدرت کی ضروریات کو پورا کر رہی ہیں۔ انسانوں کو بھی الگ الگ فرائض سونپے گئے ہیں۔ اگر وہ اپنا اپنا مقام اور اپنا اپنا کام چھوڑ کر صرف یادِ الٰہی میں مصروف ہو جائیں تو دنیا کے کام کیسے چلیں گے اور ''عرفان'' میں آپ نے صرف یادِ الٰہی پر زور دیا ہے اور آپ نے خود بھی ایک عرصہ تک ترکِ دنیا اختیار کر لی تھی۔ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ یادِ الٰہی میں مصروف ہونے سے یہ مراد نہیں کہ دنیاوی فرائض چھوڑ دیئے جائیں البتہ بعض مخصوص حالات میں اگر کوئی ایسا غیر معمولی واقعہ پیش آ جائے تو اس میں

انسان کا اپنا کوئی اختیار نہیں اور بس نہیں ہوتا۔ مجھے یادِ الٰہی کا جذبہ دامن گیر ہوا تو اس وقت میں اپنے اختیار میں نہیں تھا۔ ایک غیبی کشش تھی جو مجھے بے اختیار طور پر لاحق ہو گئی تھی اور میں مجبوراً سب کچھ چھوڑ بیٹھا تھا اور وہ بھی ایک خاص وقت کے لیے۔ ورنہ عام آدمی اپنے دنیاوی فرائض بھی سرانجام دے سکتا ہے اور یادِ الٰہی بھی کر سکتا ہے۔

اس کے علاوہ کچھ اور اصحاب نے بھی مختلف موضوعات پر سوالات کیے اور آپ نے سب کے انتہائی مدلل، معقول اور مفصل جوابات دیے۔ آپ پوری محفل پر چھا گئے تھے اور تمام دانشور علما اور قانون دان آپ کے سامنے طفلِ مکتب معلوم ہو رہے تھے۔ یہ دلچسپ محفل کافی رات گئے تک جاری رہی اس کے بعد ہم اپنی آرام گاہ میں آ گئے۔(13)

فقر و تصوف سے متعلقہ قبلہ فقیر نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کے افکارِ عالیہ، آپ کے کامل روحانی شعور و ادراک اور فہم و فراست کا بین ثبوت ہیں۔

حضرت قبلہ فقیر نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کو علم منطق اور علم الکلام پر بھی خداداد تصرف حاصل تھا۔ ایک بار دورانِ سفر، مغربی علوم و فلسفہ کے ماہر ایک ملحد نے آپ سے سوال کیا کہ عقلی اور سائنسی نقطۂ نگاہ سے مرنے کے بعد زندہ ہونا ثابت کریں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے تحمل اور بردباری سے فرمایا:

''..... بھائی تمہیں اس سے تو انکار نہیں کہ موجودہ زندگی سے قبل ہم نیست تھے یعنی ہم نہیں تھے یا موجود نہیں تھے۔ ایک ضرورت پیش آئی جس نے ہمیں ہست کر دیا یعنی وہ ضرورت ہمیں عالمِ وجود میں لے آئی۔ پھر موجودہ زندگی تو تم خود گزار رہے ہو اور تم زندہ موجود ہو۔ اس سے بھی تمہیں انکار بھی نہیں ہو سکتا۔ تیسری صورت پھر نیست ہونے کی ہے یعنی ہم نے مرنا ہے اور ضرور مرنا ہے۔ اس سے تم انکار نہیں کر سکتے۔ اب رہ گئی چوتھی صورت پھر زندہ ہونے کی۔ اس سے تمہیں صرف اس لیے انکار ہے کہ اس کا تمہیں ابھی تجربہ نہیں ہوا۔ اس طرح تم نے مذہب کے اس نظریے کا تین چوتھائی تو تسلیم کر لیا۔ یعنی ابتدائی نیستی پھر ہستی اور پھر نیستی۔ اب صرف ایک چوتھائی یعنی پھر ہستی اور زندہ ہونے کی بات رہ گئی۔ سو جو ضرورت ہمیں ابتدائی نیستی سے ہستی کی طرف لے آئی ہے وہی ضرورت پھر بھی موجود رہے گی اور پھر ہمیں ہست کر دے گی۔ چوتھی صورت تسلیم کیے بغیر ہستی اور نیستی کا یہ دائرہ اور حلقہ مکمل ہی نہیں ہوتا۔ اس کی تکمیل کی صورت صرف یہی ہے کہ ہم اس چوتھی صورت پر یقین کر لیں اور ایمان لے آئیں۔ آپ نے پوچھا کہ تمہارے پاس ایسی کوئی دلیل ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ جو قوت اور ضرورت ہمیں ابتدائی نیستی سے موجودہ ہستی کی طرف لے آئی ہے وہ موت کے بعد نہیں رہے گی۔ پھر دیکھیے دن رات، روشنی تاریکی، گرمی سردی، غم خوشی، بلندی پستی وغیرہ جفت جفت اور جوڑا جوڑا آئے ہیں۔ اسی طرح موت اور زندگی اور ہستی اور نیستی بھی جفت جفت اور لازم و ملزوم ہیں۔ یہ بھی برابر برابر اور ساتھ ساتھ ہیں۔ ان کا جوڑا اور جفت تبھی پورا ہوتا ہے جب ہم حیات بعد الممات کو تسلیم کر لیں اور ان چاروں صورتوں اور حالتوں کو مان لیں۔ پہلے نیستی پھر ہستی، پھر نیستی اور پھر ہستی۔ اگر ان میں سے ایک صورت کو نکال دیا جائے تو یہ قصہ، یہ ڈرامہ اور یہ کھیل ہی نامکمل رہ جاتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی مانے بغیر چارہ نہیں کہ موت کے بعد کی زندگی ابدی اور لازوال ہے۔ کیونکہ ابتدائی نیستی کا کوئی آغاز نہیں ہے اور آخری ہستی کا کوئی انجام نہیں۔ اس کا آغاز اور اس کا انجام مل کر ابدیت کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور اس طرح یہ دائرہ مکمل ہو جاتا ہے۔ اس پر وہ شخص لاجواب ہو گیا اور اس نے تسلیم کر لیا کہ واقعی موت کے بعد دوبارہ زندگی کا قوی امکان ہے اور اسے مانے بغیر چارہ نہیں۔ اس شخص نے بتایا کہ ایسا مدلل جواب مجھے آج تک کسی نے نہیں دیا اور اب میں مذہب اور اس کے نظریات اور معتقدات پر ایمان لاتا ہوں۔''(14)

قبلہ فقیر نور محمد رحمۃ اللہ علیہ صاحبِ حال، کامل فقیر تھے۔ آپ نے نہ صرف یہ کہ فقر و تصوف کا تحقیقی بنیادوں پر علمی مطالعہ کیا بلکہ فقرِ باہو رحمۃ اللہ علیہ کی تمام منازل و مدارج بھی طے کیے تھے۔ آپ فقر و تصوف کے ادق مسائل نہایت سہل انداز سے سمجھا دیتے تھے۔

ایک بار آپ رحمۃ اللہ علیہ ایک نامی گرامی پیر صاحب سے ملاقات کے لیے، ان کے ہاں گئے تو دیکھا کہ پیر صاحب، علما کے حلقے میں جلوہ افروز ہیں اور سب کے سب ایک فارسی شعر کی تفہیم سے عاجز بیٹھے ہیں۔ وہ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر تھا:

چہ غمست اگر ز بیرون مددِ شکر نداری ۔۔۔ بہ درونِ تست مصرے توئی نے شکر ستانش

ترجمہ: خود تیرے اندر مصر کا ملک موجود ہے اور تو خود ہی اس ملک کے گنے کی پیداوار ہے۔ اگر تجھے باہر سے شکر کی مدد نہ ملے تو اس کی فکر نہ کر۔

مطلب یہ ہے کہ تیرے اپنے اندر منبعِ نور اور مرکزِ تجلیات موجود ہے۔ تجھے خارج میں انوارِ الٰہی اور جلوۂ ذات تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ پہلے مصرعے میں مصر اور شکر کی وضاحت کوئی مولوی نہیں کر سکتا تھا اور خود پیر صاحب بھی اس کو نہیں سمجھ سکے۔ اس کے علاوہ

حروف بھی کچھ مدھم اور مٹے مٹے سے تھے۔ درسی کتب پڑھے ہوئے مولوی صاحبان کا یہ خاصا ہوتا ہے کہ جو کچھ انہوں نے پہلے سے پڑھا ہوتا ہے صرف اسی کو سمجھ سکتے ہیں۔کوئی نئی چیز سامنے آجائے تو ان کا علم جواب دے جاتا ہے۔ پیر صاحب نے جرح کی اور کہا کہ ''مصرے'' اور ''شکر'' کی کیا مناسبت ہے۔فقیر صاحب نے انہیں بتایا کہ یہاں ''شکر'' کونور سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ شکر (کھانڈ) نور کی طرح سفید ہوتی ہے۔اس کے ساتھ لفظ مصر جو ایک ملک کا نام ہے اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ مصری (نبات) اور شکر پہلے پہل مصر کے ملک میں بنائی گئی تھی اور اسی لیے مصر کی مناسبت سے اسے مصری کہتے ہیں۔مطلب یہ کہ تیرے اندر خود وہ مرکز یعنی مصر موجود ہے جہاں شکر پیدا ہوتی ہے اور بنتی ہے۔یعنی جس نور اور تجلی کی تو تلاش اور جستجو کرتا ہے اس کا مرکز خود تیرے اندر موجود ہے تجھے کیا ضرورت ہے کہ اسے آفاق میں تلاش کرتا پھرتا ہے۔اس تشریح اور توضیح سے پیر صاحب بہت خوش ہوئے اور انہوں نے آپ کو اپنے ساتھ مسند پر بٹھالیا اور بہت دیر تک نام،مقام اور مشائخ اور سلسلے کے متعلق پوچھتے رہے اور مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ پھر نماز میں ازخود ساتھ کھڑے ہونے کو کہتے رہے۔(15)

حضرت قبلہ فقیر نور محمد کلاچوی رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت میں انتہائی درجے کا استغنا تھا۔اپنی حالت پر ہمیشہ صابر وشا کر رہا کرتے تھے۔ کسی سے مرعوب نہیں ہوتے تھے۔کوئی بڑے سے بڑا آدمی آجاتا تو اس کے ساتھ وہی برتاؤ روا رکھتے جو ایک غریب آدمی کے ساتھ کرتے تھے۔عموماً اپنے غریب عقیدت مندوں کے حلقے میں بیٹھنا زیادہ پسند کرتے تھے۔ مالی اور دنیاوی نفع اور نقصان کی زیادہ پرواہ نہیں کرتے تھے۔آپ رحمۃ اللہ علیہ ظاہری ٹھاٹھ باٹھ اور تصنع کو بالکل پسند نہیں کرتے تھے۔مشائخانہ جبہ ودستار کے تکلفات میں کبھی نہ پڑے۔آپ خودنمائی اور خودستائی سے حتی الوسع اجتناب کیا کرتے۔عوام کے ہجوم کو پسند نہ کرتے۔مطالعے اور کتب بینی کا آپ کو بہت شوق تھا۔اپنی زندگی میں مختلف علوم پر ہزاروں کتابوں کا مطالعہ کیا۔آپ کو سیر وسیاحت کا بھی بہت شوق تھا۔ برصغیر پاک وہند کا کوئی ایسا مشہور شہر نہیں جہاں آپ رحمۃ اللہ علیہ تشریف نہ لے گئے ہوں اور وہاں کے اولیائے کرام کے مزارات کی زیارت نہ کی ہو۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدوں کو اپنی اولاد کی طرح تصور کرتے تھے۔جو خود کھاتے وہی انہیں کھلاتے۔آپ رحمۃ اللہ علیہ کا ہر مرید یہی سمجھتا کہ آپ کو مجھ سے زیادہ محبت ہے اور مجھ پر سب سے زیادہ مہربان ہیں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کو خوابوں کی تعبیر میں بھی کافی زیادہ مہارت حاصل تھی۔آپ کی بتائی ہوئی تعبیر ہمیشہ درست نکلتی تھی۔(16)

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے عمر کے آخری پانچ سال فیصل آباد میں گزارے۔اس عرصہ میں آپ مختلف جسمانی عوارض میں مبتلا ہو گئے۔ مرضِ جگر جان لیوا ثابت ہوا۔

وفات سے چند روز پیشتر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''مجھے اب زندگی کی کوئی ضرورت نہیں۔میں نے جو کام کرنا تھا وہ میں نے پورا کر دیا۔میرا مشن میری کتابوں کے ذریعے میرے بعد بھی کامیابی سے چلتا رہے گا......''(17)

ایک بار فرمایا:

''میں نے واقعے میں دیکھا میں آسمان کی طرف محوِ پرواز ہوں اور آسمان میں ہر طرف خوشی اور مسرت کے ہمہ گیر شادیانے بج رہے ہیں۔ اجرامِ فلکی میں ایک بہت بڑا ہنگامہ اور عظیم رستخیز برپا ہے۔لاکھوں کروڑوں سیارے اور ستارے سرعت کے ساتھ اِدھر اُدھر دوڑ رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی کا استقبال ہو رہا ہے۔جیسے کسی کی آمد کی خوشی منائی جا رہی ہے۔میرا وقت قریب آ گیا ہے۔اب میرا کوئی علاج نہ کرو۔مجھے کوئی دوا نہ دو۔اب مجھے میرے حال پر رہنے دو۔میں اسی طرح ٹھیک ہوں''۔(18)

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۸ اکتوبر ۱۹۶۰ء بروز منگل مطابق ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۸۰ ہجری کو صبح ایک بجے وصال فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَo البقرہ (۲:۱۵۶)

آپ رحمۃ اللہ علیہ نہایت متشرع،سحر خیز اور شب زندہ دار تھے۔تہجد باقاعدگی کے ساتھ پڑھا کرتے۔آخری وقت تک آپ رحمۃ اللہ علیہ نمازِ پنجگانہ باقاعدگی سے ادا کرتے رہے۔جس رات آپ کو وصال ہوا،اس رات بھی آپ نے عشاء کی نماز اشاروں سے ادا کی تھی۔(19)

۱۹ اکتوبر ۱۹۶۰ء کو آپ رحمۃ اللہ علیہ کو کلاچی میں سپردِ خاک کیا گیا۔آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مزارِ مبارک کلاچی میں مرجعِ خلائق ہے۔

سلطان الفقراء حضرت قبلہ فقیر عبدالحمید سروری قادری مدظلہ العالی

مرشدِ من، حضرت قبلہ فقیر عبدالحمید سروری قادری مدظلہ العالی، حضرت قبلہ فقیر نور محمد سروری قادری رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے بڑے فرزند اور روحانی جانشین ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۹۲۰ء کے اوائل میں ہوئی۔ آپ کی ولادت سے کچھ عرصہ قبل آپ کی والدہ ماجدہ نے خواب میں دیکھا کہ ان کی گود میں ایک طلائی قرآن شریف پڑا ہوا ہے اور وہ اسے چُوم رہی ہیں۔ صبح انہوں نے اپنا خواب حضرت قبلہ فقیر نور محمد سروری قادری رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے بیان کیا تو حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تمہارے ہاں فرزند تولد ہوگا جو مقدس روحانی امانتوں اور باطنی ورثوں کا مالک ہوگا۔

حضرت قبلہ فقیر عبدالحمید سروری قادری رحمۃ اللہ علیہ ابھی ایک سال کے بھی نہیں ہوئے تھے کہ ربیع الاول ۱۳۴۲ ہجری میں آپ کی والدہ ماجدہ وفات پا گئیں اور ان کی ابدی آرام گاہ دربار حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے عقبی قبرستان میں بنی۔ آپ کی والدہ ماجدہ کی وفات کے بعد آپ کی نگہداشت آپ کی بڑی ہمشیرہ آمنہ نے کی۔ جب ان کی شادی ہوگئی تو آپ کو آپ کی دادی فاطمہ رحمۃ اللہ علیہ کی نگہداشت میں دے دیا گیا۔ آپ کی عمر ابھی قریباً چھ سال تھی کہ آپ کی فرشتہ سیرت دادی کا بھی انتقال ہوگیا۔ آپ کو، آپ کے والد ماجد حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے ساتھ رکھنے لگے۔ آپ نے چوتھی جماعت تک باقاعدگی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد آپ سفر وحضر میں حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ رہنے لگے۔ آپ نے ان سے اردو، فارسی اور انگریزی کی تعلیم حاصل کی۔ دس سال کی عمر میں (۱۹۳۰ء سے) آپ نے حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے بتائے ہوئے وظائف (سورہ مزمل شریف، قصیدہ غوثیہ شریف اور رسالہ روحی شریف) ازبر کر لیے اور باقاعدگی سے پڑھنے شروع کر دیے۔

۱۹۳۴ء کے موسمِ گرما میں آپ نے حضرت قبلہ رحمۃ اللہ کے ہمراہ کوئٹہ کا سفر کیا۔ وہاں حضرت پیر سید علی حیدر القادری الگیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے دربار پر قیام ہوا۔ ۱۹۳۵ء کو دوبارہ کوئٹہ گئے۔ اس بار تمام دوسرے بھائی اور سوتیلی والدہ بھی ساتھ تھیں۔ وہاں دورانِ قیام، قیامت خیز زلزلہ آیا جس نے چشمِ زدن میں تقریباً پچیس ہزار جانیں لے لیں۔ اس زلزلہ میں آپ کی سوتیلی والدہ وفات پا گئیں جبکہ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ، آپ اور آپ کے سب بھائی معجزانہ طور پر بچ گئے۔ اس سانحہ کے بعد سب کلاچی آ گئے۔ کلاچی پہنچنے کے چند ماہ بعد ۱۹۳۶ء میں حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے اور شادی کر لی۔ (20)

۱۹۳۶ء میں حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو خوشنویسی کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے لاہور میں برصغیر کے نامور خطاط منشی صوفی عبدالحمید پرویں رقم کی شاگردی میں دے دیا۔ آپ نے تین چار ماہ ان کے ہاں رہ کر کتابت سیکھی اور واپس کلاچی آ گئے۔ اس زمانے میں حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ماہوار رسالہ ''نورالاسلام'' نکالنا شروع کیا۔ آپ اس رسالے کی کتابت کرتے رہے۔ یہ رسالہ صرف چند اشاعتوں کے بعد نامساعد حالات کے باعث بند کرنا پڑا۔ بنوں سے ''ہمدردِ سرحد'' کے نام سے ایک ہفت روزہ نکلا کرتا تھا جس کا مالک ایک ہندو تھا۔ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی مشاورت پر آپ بنوں چلے گئے۔ وہاں آپ کو اخبار کے دفتر میں رہنے کو جگہ مل گئی۔ شروع میں آپ کو اخبار پریس کے ایک بالا خانے پر دسمبر کی سخت سردی میں کھلے آسمان کے نیچے رہنا پڑا۔ روزگار میسر نہ آنے کی وجہ سے کئی روز کے فاقے بھی کاٹنا پڑے۔ ان حالات میں بھی آپ کو پہلے مہینے جو بیس روپے تنخواہ ملی، وہ سب کی سب آپ نے حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کو بذریعہ منی آرڈر بھجوادی۔ بعد میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر تمام تنخواہ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کو بھجواتے رہے اور خود کتابت کا کچھ پرائیویٹ کام کر کے گزر بسر کر لیا کرتے تھے۔ بعض اوقات پرائیویٹ کام نہ ملتا تو وقت فاقے سے کاٹ لیتے لیکن تنخواہ پوری کی پوری گھر بھیج دیتے۔ بے کسی اور بے بسی کے ان ایام اور نہایت کٹھن عرصہ حیات میں، یکے بعد دیگرے آپ کے بھائی غلام سرور،

عبدالمجید اور علی مراد بھی بنوں میں آپ کے پاس آ گئے۔ آپ نے تعلیم اور روزگار کی فراہمی میں ہر ممکن طریقے سے ان کی مدد کی۔

۱۹۳۹ء میں حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ حیدرآباد دکن کے پہلے سفر سے واپس کلاچی پہنچے تو انہوں نے ''عرفان'' اردو اور ''نورالہدیٰ'' فارسی کی کتابت کے لیے آپ کو، اپنے پاس بلا لیا۔ آپ نے حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے حسبِ منشا ڈیرہ اسماعیل خاں میں رہ کر ان کتابوں کی کتابت کی اور وہیں سے نظام دکن کی طرف سے فراہم کردہ رقم سے یہ کتابیں طبع کرائی گئیں۔ ۱۹۴۱ء میں حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے ''حق نما'' کی کتابت کے لیے آپ کو دوبارہ بنوں سے بلوالیا اور حیدرآباد دکن کے سفر پر آپ کو اپنے ساتھ لے گئے۔ وہاں تقریباً دو ماہ قیام کے دوران، آپ نے ''حق نما'' کی کتابت مکمل کر لی اور واپسی پر اسے لاہور میں طبع کرالیا گیا۔ حیدرآباد کے سفر کے دوران آپ نے دہلی اور آگرہ دیکھا۔ آپ کو حیدرآباد کے مشہور مقامات کی سیر کا موقع بھی ملا۔ حیدرآباد میں آپ کو مشہور شخصیات، سراکبر حیدری (وزیر اعظم حیدرآباد دکن)، نواب مرزا یار جنگ بہادر (وزیر مذہبی امور)، صفدر یار جنگ بہادر (چیف جسٹس) کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔

حیدرآباد کے سفر سے واپسی پر آپ پھر بنوں چلے گئے اور کتابت کے کام میں دوبارہ ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ اپنی شعر گوئی کی بدولت آپ جلد ہی بنوں کی ادبی محفلوں میں نامور ہو گئے۔ ۱۹۴۳ء میں آپ لاہور آ گئے۔ آپ نے طبیہ کالج لاہور سے طب کی تعلیم حاصل کی اور ''حکیم حاذق'' کے کورس میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد ۱۹۴۶ء میں بنوں واپس آ کر مطب کھول لیا۔ یہاں آپ کو بہت کامیابی حاصل ہوئی اور آپ کا مطب خوب چمکا۔ اسی زمانے میں آپ نے پشتو فاضل، میٹرک، ایف اے اور پنجاب سٹیٹ میڈیکل فیکلٹی سے ڈسپنسنگ کے امتحانات پاس کیے۔ اس زمانے میں حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ مستقل رہائش کے ارادے سے اہلِ خانہ سمیت بنوں تشریف لے آئے۔ لیکن بنوں کا ماحول پسند نہ آنے کی وجہ سے کلاچی واپس چلے گئے۔ ۱۹۶۰ء کو حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے وصال سے چند روز قبل آپ کو بذریعہ ٹیلی گرام فیصل آباد طلب فرمایا۔ آپ فوراً وہاں پہنچ گئے اور آخری وقت تک حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں رہے۔ اپنے وصال سے دو دن قبل رات کو عشاء کے بعد حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو تین واقعات ارشاد فرمائے۔

پہلا واقعہ آپ نے یوں بیان فرمایا:

> ''تمہاری ولادت سے چند یوم پیشتر میں نے روحانی طور پر دیکھا کہ تمہاری والدہ کی گود میں ایک سہری اور طلائی حروف سے لکھا ہوا قرآن شریف پڑا ہوا ہے اور وہ اسے چوم رہی ہیں۔ اس کے بعد جب تمہاری ولادت ہوئی تو میں نے کہا کہ اس خواب کی تعبیر یہی تھی اور یہ بچہ بڑی برکتوں اور سعادتوں والا ہوگا۔ تمہاری والدہ نے بھی بالکل اسی طرح کا خواب دیکھا تھا۔''

دوسرا واقعہ ذرا توقف کے بعد اس طرح سنایا:

> ''تم ابھی بہت چھوٹے ہی تھے۔ میں نے واقعے میں دیکھا کہ میں اپنا سارا نور تمہارے جسم کے اندر پھونک دیتا ہوں اور تم اس نور سے معمور ہو کر سرتاپا منور اور روشن ہو جاتے ہو۔''

تیسرا واقعہ جو خصوصی طور پر روحانی جانشینی سے متعلق ہے، بڑے مؤثر انداز میں یوں بیان فرمایا:

> ''میں نے واقعے میں دیکھا کہ میں تمہارا سر تمہارے بدن سے جدا کر کے اس کی جگہ اپنا سر جوڑ دیتا ہوں اور مجھے تمہارے دونوں کندھوں کے درمیان اپنا سر، اپنا چہرہ اور اپنی صورت نظر آ رہی ہوتی ہے۔''

یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

> ''دوسرے بزرگ اپنے جانشینوں کے سر پر خلافت اور جانشینی کی پگڑیاں اور دستار رکھا کرتے ہیں مگر میں نے پگڑی کی بجائے اپنا سر، اپنا روحانی شعور اور اپنی روحانی فضیلت اور برکت و فراست رکھی ہے۔ خلافت اور جانشینی کا اس سے زیادہ بلند معیار اور کوئی نہیں ہو سکتا۔''(21)

دوسرے دن علی الصبح، حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے مرشدِ من، حضرت قبلہ فقیر عبدالحمید سروری قادری کو گواہان کی موجودگی میں اپنا جانشین اور اپنے سلسلے کا قائد اور سربراہ مقرر فرمایا اور بطور سند وصیت نامہ تحریر فرمادیا۔(22)

حضرت قبلہ فقیر نور محمد سروری قادری رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد حضرت قبلہ فقیر عبدالحمید سروری قادری رحمۃ اللہ علیہ بنوں میں ہی مقیم رہے۔ ۱۷ اپریل ۱۹۷۱ء کو حضرت قبلہ فقیر نور محمد سروری قادری رحمۃ اللہ علیہ کے باطنی حکم و ہدایت پر، بنوں میں تقریباً ۳۵ سال کی

سکونت کے بعد آپ ہمیشہ کے لیے کلاچی چلے آئے۔ آپ نے یہاں حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک پر ایک شاندار محل تعمیر کرایا۔ عالی شان مسجد تعمیر کرائی۔ حجرے تعمیر کرائے۔ قرآن پاک کی تدریس کا درس قائم کیا۔ آپ کی بدولت مقامی، ملکی اور بین الاقوامی سطح پر سروری قادری سلسلہ کا فیضان پہنچا اور لوگ جوق در جوق سلسلہ میں شامل ہوئے۔ آپ نے اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک روحانی سلسلے کا نیٹ ورک قائم کر دیا۔ اندرونِ ملک تقریباً تمام چھوٹے بڑے شہر میں آپ کے خلفا اور روحانی مراکز موجود ہیں۔ آپ نے ۱۹۸۵ء، ۱۹۸۷ء، ۱۹۸۹ء، ۱۹۹۳ء، میں جنوبی افریقہ کے، دسمبر ۲۰۰۲ء کو مصر اور ۲۰۱۴ء میں ملائشیا کے دورے کیے۔ وہاں آپ نے دین اسلام اور روحانی سلسلہ سروری قادری کی ترویج کے لیے شاندار خدمات سرانجام دیں۔ الحمدللہ، یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے اور ہزاروں، لاکھوں افراد بالواسطہ اور بلاواسطہ طور پر آپ سے فیضان حاصل کر رہے ہیں۔ (23)

آپ فقر کے نہایت اعلیٰ وارفع مقام پر فائز ہیں۔ آپ کو ذاتِ باری تعالیٰ اور بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں خاص مقام اور قرب حاصل ہے۔ کتاب ''الہامات'' میں ''میراحج'' کے عنوان کے تحت حضرت قبلہ فقیر عبدالحمید سروری قادری مدظلہ العالی لکھتے ہیں کہ فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے ۳۰ اکتوبر ۱۹۷۵ء کو ظہر کے وقت ہم جدہ پہنچے۔ اگلے دن جمعہ تھا اور ہم نمازِ جمعہ سے پہلے مکہ معظمہ پہنچ گئے اور حرمِ پاک میں جماعت کے ساتھ نمازِ جمعہ ادا کی۔ نمازِ جمعہ ادا کرنے کے بعد عمرہ ادا کیا۔ تقریباً ایک ہفتہ مکہ معظمہ قیام کے بعد ہم مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوتے وقت مجھے بخار تھا۔ اس حالت میں روضۂ اقدس پر حاضری ہوئی۔ دن بھر حاضری کے بعد، بعد از عشا اپنی قیام گاہ پر پہنچا تو بخار تیز ہو گیا۔ پریشان تھا کہ اگر یہی حالت رہی تو روضۂ اقدس اور مسجد نبوی کی حاضری کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔ صبح کو زیارتوں پر جانے کا پروگرام بھی تھا۔ اسی پریشانی کے عالم میں رو رہا تھا کہ کمرے میں اچانک روشنی پھیل گئی۔ اس سے آگے مرشدِ من لکھتے ہیں:

''مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نوری سراپا اور شبیہہ مبارک نظر آئی۔ میں ادب اور احترام سے کھڑا ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سامنے تشریف فرما تھے۔ میں نے لپک کر اور جھک کر قدم بوسی کا شرف حاصل کیا اور معاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے سینے سے لگا لیا۔ ذاتِ مقدس، نورِ مجسم، پیکرِ رحمت اور جسمِ مطہر کے ساتھ ہم آغوشی، بغل گیری اور اتصال سے مجھے کون و مکاں کی تمام مسرتیں حاصل ہو گئیں۔ صاحبِ خلق عظیم شہِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم اور شہنشاہِ بحر و بر صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی آغوشِ رحمت میں لے لیا تھا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے؛ میں ہاتھ باندھے پیچھے چل پڑا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سبز لباس پہن رکھا تھا۔ سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع پہنچے اور خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر کے سرہانے کھڑے ہو گئے۔ میرے ساتھ تین چار آدمی اور بھی تھے جن کو پہچانتا نہیں تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ ہم نے بھی اٹھائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ پڑھتے جاتے تھے ہم ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے تھے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ازواجِ مطہرات، حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبروں پر لے گئے، دعائیں پڑھیں اور میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے میدان احد لے گئے اور وہ مقام دکھایا جہاں دندانِ مبارک شہید ہوئے تھے۔ مسجدِ قبا لے گئے، پھر مسجد قبلتین اور دوسرے مقامات دکھائے، ان کی اہمیت بیان فرمائی اور دعائیں پڑھیں جو میں نے ساتھ پڑھیں۔ اخیر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ میں نے اس معلمِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ چوم کر آنکھوں سے لگایا اور اسی کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے۔

میں اٹھ بیٹھا۔ رات کے تین بجے کا عالم تھا۔ طبیعت ہلکی اور درست معلوم ہو رہی تھی، جسم ٹھنڈا تھا، بخار اتر چکا تھا اور کمزوری بھی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے اٹھ کر وضو کیا اور سیدھا حرمِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پہنچ گیا۔ اس کے بعد پھر بخار دوبارہ نہیں آیا۔ اس رات کو میں حاصلِ حیات اور سرمایۂ زیست تصور کرتا ہوں۔ جس رات مجھے میرا گوہرِ مقصود مل گیا اور میری زندگی بھر کی مرادیں اور حسرتیں پوری ہو گئیں۔

سکونِ قلب ملا، لذتِ حیات ملی　　درِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ملا، ساری کائنات ملی (اعظم چشتی)

دل یہی چاہتا تھا کہ ساری عمر اسی طرح کا بخار چڑھا رہے، زندگی کی ہر رات اسی طرح بسر ہو، اسی نوع کی بے خوابی اور درد و کرب رہے، اسی قسم کی گریہ وزاری ہو اور ایسی ہی اشک ریزی ہو۔ ہر آن، زندگی بھر، تا حشر، تا ابد وہی نوری سراپا اور حسین وجمیل شبیہہ مبارک نگاہوں کے سامنے ہو۔ وہی دست بوسی اور قدم بوسی ہو اور وہی جلوہ تمام نگاہ میں ہو۔ ازل سے ابد تک جسمِ مطہر کے ساتھ اتصال اور ہم آغوشی ہو، وہی

معلمِ کائنات ﷺ میرا معلم ہو، وہی فردوسی، جاں نواز اور روح پرور صدا ہر لحہ زیب سماعت ہو، وہی چہرۂ انور کی ضیا باریاں اور ضوفشانیاں ہوں، وہی پُر کیف تکلم ہو، وہی لطف ومہربانی ہو، وہی رہنمائی اور رہبری ہو، وہی دستگیری ہو، وہی نگاہ ہو جو قلب کو فرمادے اور وہی دستِ کرم ہو جو کونین کی نعمتیں عطا کردے، وہی شفقت ہو جو دل کو لازوال سکون اور بے پایاں راحت واطمینان کے خزانے بخش دے۔

دوسرے دن میں بالکل تندرست تھا اور ہمارے معلم ہمیں زیارتوں کے لیے ساتھ لے گئے۔ جہاں جہاں بھی وہ ہمیں لے گئے وہ تمام مقامات میرے جانے پہچانے اور دیکھے بھالے ہوئے لگ رہے تھے کیونکہ ان سب کو میں رات کے باطنی اور روحانی واردات میں حضور ﷺ کی معیت میں دیکھ چکا تھا۔ میں سارا دن اپنے دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ دوڑتا پھرتا رہا مگر مجھے کوئی تھکاوٹ اور کمزوری محسوس نہیں ہوئی۔''(24)

روحانی دنیا میں اہلِ حق کو ان کے مقام ومرتبہ اور فرائض منصبی کے مطابق تصرفات عطا ہوتے ہیں۔ مرشدِ من، عطا ہونے والے تصرفات میں سے طےِ زمانی وطےِ مکانی کے تصرفات کے بارے میں ذاتی مشاہدہ وتجربہ کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں:

مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ میں مجھے ایک عجیب وغریب اور انوکھا روحانی تجربہ ہوا۔ ایسی عجیب روحانی واردات سے میں پیشتر ازیں کبھی دوچار نہیں ہوا تھا۔ گو ایسے واقعات اسلامی تاریخ میں بزرگانِ دین اور اولیائے کرام کے متعلق اکثر ملتے ہیں مگر ذاتی طور پر میرے لیے یہ بالکل نیا واقعہ اور نرالا مشاہدہ تھا۔ اس قسم کا ایک واقعہ حضرت مالک بن قاسم جبلی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منسوب ہے۔ حضرت عبداللہ بن صالح رحمۃ اللہ علیہ نے مکہ معظّمہ میں طویل قیام کے دوران حضرت مالک بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ ان کے ہاتھ سے گوشت کی خوشبو آرہی تھی۔ وجہ پوچھی تو مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ میں ابھی ابھی اپنی والدہ کو کھانا کھلا کر آرہا ہوں اور جلدی میں یہاں آگیا ہوں تاکہ مکہ معظّمہ میں صبح کی نماز میں شرکت کرسکوں۔ مالک رحمۃ اللہ علیہ جہاں سے آئے تھے وہ جگہ مکہ معظّمہ سے تین ہزار میل کے فاصلے پر تھی۔

میرا مشاہدہ اور واقعہ یوں ہے کہ قیامِ مکہ کے دوران گھر سے خط آنے میں دیر ہوگئی جس سے کچھ پریشانی سی تھی۔ عشا کی نماز کے بعد جب میں اپنے بستر پر گیا اور ابھی آنکھ نہیں لگی تھی کہ میں کلاچی اپنے گھر پہنچ گیا اور مادی طور پر اپنے مادی جسم کے ساتھ ہی پہنچا۔ کلاچی میں بھی رات کو بعد از عشا کا وقت تھا۔ میں نے دیکھا کہ گھر کے تمام افراد سورہے تھے اور تمام کے تمام خیریت سے تھے۔ میں نے گھر کے کسی فرد کو اس لیے جگانا مناسب نہیں سمجھا کہ انہیں مجھے دیکھ کر خواہ مخواہ پریشانی اور حیرانی ہوگی کہ میں تو حج پر گیا تھا رات گئے بغیر اطلاع اچانک کسی طرح گھر آگیا ہوں۔ پھر میں نے اچھی طرح اطمینان کرلیا کہ یہ خواب کا معاملہ نہیں بلکہ میں سچ مچ ہوش وحواس اور بیداری میں مادی جسم کے ساتھ گھر آگیا ہوں اور میں خود بھی اس بات سے گھبرا سا گیا کہ میں تو حج پر گیا تھا رات گئے بغیر اطلاع اچانک کس طرح گھر آگیا ہوں۔ پھر میں نے اچھی طرح اطمینان کرلیا کہ یہ خواب کا معاملہ نہیں بلکہ میں سچ مچ ہوش وحواس اور بیداری میں مادی جسم کے ساتھ گھر آگیا ہوں تو میں واپس کیسے جاؤں گا اور میرے فریضۂ حج کا کیا بنے گا۔ میں نے جلدی میں گھر سے باہر قدم رکھا تو اپنے آپ کو مکہ میں اپنے بستر پر پایا۔ اس سے مجھے بڑی حیرانی ہوئی کہ یہ کیا اور کیونکر ہوا۔ اس کے بعد یہی معاملہ کئی مرتبہ پیش آیا اور میں اس کا عادی ہوگیا۔

مدینہ منورہ میں بھی ایک رات اسی طرح کا مگر اس سے کچھ مختلف اور متنوع قسم کا واقعہ پیش آیا۔ وہاں سے بھی میں اسی طرح کلاچی پہنچا۔ میں پوری طرح بیدار اور ہوش وحواس میں تھا اور مجھے یقین اور مکمل احساس تھا کہ میں مادی جسم کے ساتھ ہی گھر پہنچا ہوں۔ اس دفعہ مجھے یہ بھی بھروسہ اور اعتماد تھا کہ میں آنِ واحد میں حسبِ سابق واپس مدینہ پہنچ جاؤں گا۔ کیونکہ اس کا تجربہ مجھے اس سے پیشتر کئی بار ہو چکا تھا مگر اس مرتبہ ایک نئے اور مزید تجربے سے دوچار ہوا اور وہ یوں کہ اس مرتبہ جب میں گھر میں داخل ہوا تو گو رات کا وقت تھا مگر اہلِ خانہ ابھی جاگ رہے تھے۔ اس صورتِ حال کو دیکھ کر میں نے چاہا کہ اہلِ خانہ مجھے نہ دیکھیں تاکہ الجھن اور پریشانی پیدا نہ ہو۔ چنانچہ مجھے یہ تصرف حاصل ہوگیا جس کی وجہ سے میں ان کی نظروں سے اوجھل ہوگیا مگر میں ان کو دیکھ رہا تھا اور ان کی باتیں سن رہا تھا۔ میں دیر تک ان کے پاس کھڑا باتیں سنتا اور ان کے حالات دیکھتا رہا۔ ان کی خیریت معلوم کرکے اور اپنی تسلی کرنے کے بعد گھر سے باہر نکلا تو اپنے آپ کو مدینہ میں پایا۔

یہ کوئی عجوبہ نہیں اور ایسا ممکن ہے۔ جب آواز، تصویر اور رنگ تک ٹیلی کاسٹ ہونا شروع ہوگئے ہیں۔ حالانکہ رنگ مادی چیز ہے اور رنگ اب ٹیلی ویژن کی رنگین نشریات کے ذریعے ایک جگہ سے دوسری جگہ آنِ واحد میں منتقل ہورہے ہیں تو کسی وقت یہ بھی ممکن ہوجائے گا کہ عناصر بھی اسی طرح لہروں کے ذریعے اور لہروں کی صورت میں منتقل ہوکر پھر عناصر کی صورت اختیار کرلیں۔ اگر ایسا ہوگیا تو مادی اشیا کے انتقالِ مکانی کا مسئلہ حل ہوجائے گا اور لوگوں کو جسمانی معراج اور بزرگوں کے ایک جگہ سے دوسری جگہ مادی اور جسمانی طور پر پہنچنے کے واقعات کا یقین آجائے گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں بلقیس کا تخت اسی طرح سے مادی طور پر آنکھ جھپکنے میں منتقل ہوگیا تھا۔''(25)

روحانی دنیا میں ''مشاہدۂ حق'' اور بارگاہِ نبوی ﷺ میں مدام حاضری، نہایت اعلیٰ، بلکہ اعلیٰ ترین مقامات ہیں۔ ''مشاہدۂ حق'' کے ضمن میں مرشدِ من فرماتے ہیں:

''عبداور معبود، بندے اور خدا اور خالق اور مخلوق کے درمیان جو بعد اور افتراق ہے وہ مادی اور زمانی و مکانی نہیں بلکہ معنوی، شعوری، ذہنی اور روحانی ہے اور جب یہ معنوی اور شعوری بعد ختم ہو جاتا ہے تو ذات باری تعالیٰ کے مشاہدہ اور دیدار کا مسئلہ فوری طور پر حل ہو جاتا ہے اور میں نے یہ مسئلہ حل کر لیا ہے۔

واللہ، میں روز صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک مشاہدۂ حق میں محو اور مشغول رہتا ہوں۔ مجھے ہر گھڑی اور ہر لمحہ رویت اور دیدار الٰہی ہوتا ہے۔ اس کے دیدار اور رویت کی کیفیت عجیب وغریب ہوتی ہے۔ مجھ پر اس کا صفاتی جلوہ بھی ہوتا ہے اور ذاتی جلوہ بھی۔ صفاتی جلوہ بھی ہر لمحہ ہوتا ہے اور ذاتی جلوہ بھی ہر آن اور ہر گھڑی ہوتا ہے۔ یہ کوئی تعجب اور حیرانی کی بات نہیں۔ میرا یہ بیان محض شطحات پر مشتمل نہیں۔ شطحات کی حقیقت و ماہیت کو میں خوب اور اچھی طرح جانتا اور سمجھتا ہوں۔ میں مجذوب نہیں ہوں اور میں نے آج تک مجذوبانہ باتیں نہیں کیں۔ مجھے مالیخولیا اور وہم وسواس بھی نہیں اور نہ ہی میں دماغی یا ذہنی عدم توازن میں مبتلا ہوں۔ مجھے کسی نوع کی نفسیاتی پیچیدگی یا الجھن بھی درپیش نہیں۔ میں اسے بھی اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ میں شریعتِ حقہ کا پورا پورا پابند ہوں۔ تمام اسلامی ارکان پر کماحقہٗ عمل پیرا ہوں۔ میرا توحید، رسالت اور ختم نبوت پر پکا اور مستحکم ایمان ہے اور میں اہل سنت و جماعت کا پختہ اور راسخ عقیدہ رکھتا ہوں۔

میں تشریحات، تصریحات اور تفصیلات میں نہیں جاؤں گا۔ اجمال اور اختصار کی راہ اختیار کروں گا۔ جن لوگوں کا جی چاہے وہ تفصیلات اور تشریحات کی راہ اختیار کریں۔ میرا کام حقائق کا اظہار ہے اور بس۔

مشاہدۂ ذات اور جلوۂ حق کی ایک کیفیت تو مجھ پر یوں وارد ہوتی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے کسی صفاتی اسم پر اپنی توجہ مرکوز کر دیتا ہوں، اس میں ڈوب جاتا ہوں، اسے طے کرتا ہوں اور پھر بقدرِ ظرف اور حسبِ استعداد اس صفت کا حامل بن جاتا ہوں۔ وہ صفت مجھ میں سرایت کر جاتی ہے اور کائنات کا ذرّہ ذرّہ مجھے اس صفت کا حامل اور مظہر نظر آنے لگتا ہے۔ مجھے اس صفت کی ازلی اور ابدی کیفیات نظر آنے لگتی ہیں اور میں اس کے مشاہدے میں گم اور فنا ہو جاتا ہوں۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں یہ مشاہدہ ابتدائے آفرینش سے کر رہا ہوں، ازل سے کر رہا ہوں، یوم الست سے کر رہا ہوں، کروڑوں اربوں سالوں سے کر رہا ہوں۔ اس وقت سے کر رہا ہوں جس کی ابتدا نامعلوم ہے اور اس وقت تک کرتا رہوں گا جس کی انتہا کا کوئی پتہ نہیں۔ میرا یہ مشاہدہ ازلی بھی ہوتا ہے اور ابدی بھی۔ یوں لگتا ہے جیسے یہ مشاہدہ قدیم سے جاری ہے اور ہمیشہ کے لیے جاری رہے گا۔ یہ مشاہدہ کبھی ختم نہ ہوگا، کبھی اختتام پذیر نہیں ہوگا۔ یہ مشاہدہ زمان و مکان اور آغاز وانجام کی قیود سے یکسر آزاد ہے۔

پھر جب بھی بلاارادہ یا بالارادہ اللہ تعالیٰ کی کسی دوسری صفت اور صفاتی اسم کی طرف توجہ منتقل ہوتی ہے تو وہی کیفیت طاری ہوتی ہے اور اسی قسم کی واردات ہوتی ہے۔ اگر اسم جمالی ہو تو کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی تمام جمالی کیفیات اور جمالیاتی پہلو میری بصارت میں آ جاتے ہیں۔ اس کی غیر محدود اور بیکراں جمالی کیفیات کی طرح میری بصارت بھی بیکراں اور غیر محدود ہو جاتی ہے اور مجھے ہر جگہ اور ہر مقام پر موجود اس کے حسن و جمال کے جلوے صاف اور واضح طور پر نظر آنے لگتے ہیں۔ عرش سے فرش تک، زمین سے آسمان تک، شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک اس کا جمالِ لازوال مجھ پر متجلی ہوتا ہے۔ ذرّہ سے خورشید تک، ماہ سے ماہی تک اور ثریا سے لے کر ثریٰ تک حسن ہی حسن اور جمال ہی جمال پھیلا ہوا نظر آتا ہے اور میں اس کے جلوؤں، دید اور مشاہدے میں بے خود، مسرور اور مدہوش ہو جاتا ہوں اور میری روح، میرا وجودِ باطن اور میری ازلی وابدی حقیقت اور ذات اس تک جا پہنچتی ہے جس کی صفات کائنات میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس طرح میں اس کی صفات کے روزن سے اس کی ذات کا مشاہدہ کر لیتا ہوں اور صفات کے بحرِ بیکراں میں ڈوب کر اور غوطہ لگا کر ذات کے درِّ یکتا تک پہنچ جاتا ہوں کیونکہ ان صفات کا نقطۂ نظر آغاز اور مبدا وہی ذات ہے۔ اسی طرح جلالی اسم میں طے کے وقت جلالی مشاہدات کا حال ہوتا ہے۔ یہ مشاہدہ علمی، روحانی، عقلی، شعوری اور ذہنی ہوتا ہے۔ اس میں وہم وگمان یا خواب وخیال کا قطعاً کوئی دخل نہیں ہوتا اور عقل وشعور کی قطعیت مسلّم ہے۔

اسی طرح اس کی ہر صفت سے موصوف یعنی ذاتِ باری تعالیٰ سے اتحاد، رابطے اور ملاپ کا سرِّ عظم مجھ پر کھل گیا ہے اور میں اس کی سینکڑوں بلکہ ہزاروں صفات کے ہزاروں راستوں سے ہر روز ہر لمحہ اور ہر آن اس تک پہنچ جاتا ہوں۔ اس طرح مجھے ہر گھڑی اس کی رویت اور مشاہدہ ہوتا ہے۔ وہ ہمارے نفوس کے اندر موجود اور جلوہ ہے:

وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ ط اَفَلَا تُبْصِرُوْنَO الذاریات (۲۱:۵۱)

اسی کا قول ہے اور اسی نے خود فرمایا ہے کہ میں تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوں:

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِO ق (۱۶:۵۰)

ترجمہ: ''اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔''

حیران ہونے کی کوئی بات نہیں۔ گو میں بہت بڑی بات کہہ گیا ہوں لیکن بالکل حق اور سچ کہہ گیا ہوں۔ تعجب کا کوئی مقام نہیں۔ میں نے ایک عظیم راز پر سے ایک نئے انداز میں پردہ ہٹا دیا ہے لیکن یہ راز ظاہر اور آشکارا ہونے ہی کے لیے تھا۔ اسے میں ظاہر اور آشکارا نہ کرتا تو اور کوئی ظاہر کر دیتا مگر مجھے ناز ہے کہ میں نے اسے بالکل سادہ طور پر ظاہر کر دیا ہے تا کہ ہر شخص اسے سمجھ سکے اور کوئی الجھن اور عقدہ باقی نہ رہے۔ میں نے اشارات اور کنایات سے کام نہیں لیا۔ تشبیہات اور استعارات کا سہارا نہیں ڈھونڈا۔ ابہام کا راستہ اختیار نہیں کیا۔

یہ نہ پوچھو کہ ذات کیا ہے اور اس کی کیفیت کیا ہے؟ خوشبو کی کیفیت کیا ہے، روشنی اور نور کی کیا کیفیت ہے؟ جس طرح پھول کی خوشبو سے پھول کا پتہ لگ جاتا ہے، انسان پھول کو پالیتا ہے، جس طرح روشنی اور نور کی مدد سے آدمی چراغ، مصباح اور خورشید کو دیکھ لیتا ہے اسی طرح ذات کی صفات سے ذات کی یافت اور دریافت ہو جاتی ہے اور انسان اس تک جا پہنچتا ہے۔ اس کا دیدار کر لیتا ہے اور اس کا مشاہدہ اور جلوہ ہو جاتا ہے۔

مشام تیز سے ملتا ہے صحرا میں نشاں اس کا ظن و تخمیں سے ہاتھ آتا نہیں آہوئے تاتاری (26)

بندۂ عاجز (مصنف کتاب ''نورِ عرفان'') کی تمام عمر تصوف پڑھتے، سمجھتے، سمجھاتے گزر گئی ہے۔ مشاہدۂ حق کے بارے میں میں اس قدر سہل و عام فہم اور واضح تحریر کہیں اور پڑھنے کو نہیں ملی۔ کلام سے کلیم کے روحانی مقام کا علم ہوتا ہے۔ زیرِ مطالعہ تحریر، صاحبِ تحریر کے علم و عرفان اور روحانی مقام کا واضح ثبوت ہے۔

مرشدِ من، حضرت قبلہ کو ذاتِ حق سے عطا ہونے والے فضائل اور کرامات کا احاطہ تحریر میں لانا ممکن نہیں۔ تاہم، قدرے تفصیل سے ان کے ادراک کے لیے آپ کی دیگر تصانیف اور آپ پر لکھی گئی کتب و تحاریر کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔

تصانیف و تالیفات:۔ پشتو میں آپ کی دو کتابیں چھپی ہیں۔ ایک آپ کی اپنی تصنیف ہے جو آپ کی پشتو منظومات پر مشتمل ہے۔ اس کا نام ''الہامونہ'' ہے۔ اس میں آپ کی پشتو غزلیں، نظمیں، قطعات، حمد، نعت اور قصائد ہیں۔ آپ نے اس کا منظوم اردو ترجمہ بھی کر دیا ہے جو ''تجلیات'' کے نام سے چھپ گیا ہے۔ آپ کی دوسری پشتو کتاب حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے پنجابی ابیات کا پشتو منظوم ترجمہ ہے۔ پشتو منظومات کی کتاب ''الہامونہ'' کو ۱۹۶۵ء میں پاکستان رائٹرز گلڈ کی طرف سے علاقائی زبانوں کی منظومات کی کتابوں کے انعامی مقابلے میں پہلا انعام ملا تھا۔ اور دوسری کتاب ''ابیاتِ باہوؒ'' کے منظوم پشتو ترجمہ پر 1991ء میں انٹرنیشنل جشن باہو کی طرف سے میڈل ملا۔ آپ کی اردو میں ایک تصنیف کتاب ''الہامات'' ہے اور دوسری تصنیف ''حیاتِ سروری'' ہے جو حضرت قبلہ فقیر نور محمد صاحب سروری قادری کلاچوی رحمۃ اللہ علیہ کے مفصل حالاتِ زندگی پر مشتمل ہے۔ آپ کی تالیفات میں حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی فارسی کتاب ''عقلِ بیدار'' کا اردو ترجمہ اور شرح ہے۔ یہ کتاب بھی چھپ گئی ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے اپنے خطبات اور تقاریر کا بھی ایک مجموعہ مرتب کیا ہے جس کا نام ''خطباتِ کاملؔ'' ہے۔ آپ کے تحریر کردہ کتابچوں ''سرِ مکتوم''، ''شجرۃ النور'' اور ''مکتوبات'' وغیرہ کا مجموعہ ''فیوضاتِ کاملؔ'' کے نام سے چھپ چکا ہے۔ آپ کی اردو منظومات کا مجموعہ بھی ''کلیاتِ کاملؔ'' کے نام سے شائع ہو گیا ہے جس میں آپ کی نعتیں، منقبتیں اور غزلیات شامل ہیں۔ (27)

شادی و اولاد:۔ ۱۹۴۶ء میں حضرت قبلہ فقیر عبدالحمید سروری قادری مدظلہ العالی کی شادی کلاچی کے ڈاکٹر حبیب اللہ خاں مرحوم گنڈاپور کی دختر سے ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین لڑکے اور تین لڑکیاں عطا فرمائیں۔

کامیاب جانشین:۔ مرشدِ من، حضرت قبلہ فقیر عبدالحمید سروری قادری مدظلہ العالی، حضرت قبلہ فقیر نور محمد سروری قادری رحمۃ اللہ علیہ کے عظیم جانشین ثابت ہوئے ہیں۔ آپ فقرِ باہو کے عملی پیکر اور سروری قادری مسلک کے شاندار علمبردار ہیں۔ آپ نے اپنے پدرِ محترم کی نا تمام

آرزوؤں کو تکمیل تک پہنچایا۔ آپ نے فنِ کتابت، فنِ طب، فنِ شاعری، فنِ خطابت اور باطنی روحانی علوم میں کمال حاصل کیا اور اپنے تخلص کے عین مصداق مرشدِ کامل کے طور پر ہزاروں غم کردہ راہ کو راہِ ہدایت پر گامزن فرمایا۔ آپ کا یہ کلام، بجا طور پر آپ کے روحانی مرتبہ ومقام کا مظہر ہے۔ آپ فرماتے ہیں ؎

خدا کا مجھ پہ کرم صبح و شام ہوتا ہے — مجھے مشاہدۂ حق دوام ہوتا ہے
مدام بزمِ محمدؐ میں باریاب ہوں میں — مجھے حضورؐ کا دیدارِ عام ہوتا ہے
شہرِ مدینہؐ سے ہوتی ہے گفتگو میری — رسولِ پاکؐ سے میرا کلام ہوتا ہے
طوافِ کعبہ کا ہوتا ہے مجھ کو روز نصیب — مدینے روز ہی میرا سلام ہوتا ہے
تجلیات کا مرکز ہے میرا قلبِ سلیم — کرم کا سلسلہ مجھ پر تمام ہوتا ہے
شرابِ معرفتِ ذات روز پیتا ہوں — لبوں پہ بادۂ وحدت کا جام ہوتا ہے
نبیؐ کے وصل میں آتا ہے لطف جینے کا — نبیؐ کے ہجر میں جینا حرام ہوتا ہے
مرا صنم کبھی ہوتا ہے میرے پہلو میں — میرا صنم کبھی بالائے بام ہوتا ہے
نبیؐ نے فقر کی شاہی جنہیں عطا کی ہے — انہی فقیروں میں میرا بھی نام ہوتا ہے
مری نظر سے دلوں کو سکون ملتا ہے — میری وجہ سے غریبوں کا کام ہوتا ہے
مجھے بھی ان کی رفاقت کا ہے شرف حاصل — ورائے عرشِ بریں جن کا گام ہوتا ہے
ہر اک لمحہ، ہر اک پل، ہر اک گھڑی کاتلؔ — مری زباں پہ درود و سلام ہوتا ہے (28)

راقم الحروف نے قریباً اٹھارہ برس کی عمر میں (۱۹۸۱ء میں) دربار عالیہ رحمٰن شریف فیصل آباد کے سجادہ نشین، حضرت خواجہ غلام نصیر الدین رحمۃ اللہ علیہ سے چشتی نظامی سلسلہ میں بیعت کی۔ ۱۹۸۱ء تا ۱۹۹۶ء تک قریباً ۱۵ سال آپ سے روحانی تعلیم وتربیت حاصل کرنے کا موقع ملا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے چشتی نظامی سلسلہ میں سلوک کی تکمیل پر ۲۲ نومبر ۱۹۹۲ء کو راقم الحروف کو خلافت عنایت فرمائی۔ ۱۹۸۵ء کو بندہ عاجز کا چشتی نظامی سلسلے کے معروف بزرگ میاں علی محمد بسی شریف والوں کے خلیفہ مجاز میاں محمد مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ سے رابطہ ہوا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۴ جنوری ۲۰۰۶ء (بمطابق ۱۳ ذوالحجہ ۱۴۲۶ھ) کو وفات پائی۔ آپ دلائل الخیرات کے عامل تھے اور بندہ عاجز کو آپ سے بھی چشتی نظامی سلسلے کا فیض ملا اور خلافت عطا ہوئی۔ اسی دوران قادری نوشاہی سلسلہ کے ایک بزرگ حضرت میاں علی شیر صدیقی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی جنوری ۲۰۱۷ء) سے بھی ذکرِ قلبی کی اجازت ملی اور بعد میں خلافت بھی عطا ہوئی۔ بندہ عاجز کے جماعت نرسری پریپ کے استاد ماسٹر غلام حسین سروری قادری کے ذریعے بندہ عاجز کا حضرت قبلہ فقیر عبدالحمید سروری قادری مدظلہ العالی سے رابطہ ہوا۔ اپنی روحانی تشنگی کی بدولت بندہ عاجز نے آپ سے بیعت کے لیے درخواست کی۔ آپ نے نہایت مہربانی فرماتے ہوئے ۲۰۱۳ء میں بندہ عاجز کو سروری قادری سلسلہ میں بیعت کرلیا۔ بیعت کے قریباً ۳/۲ سال بعد سالانہ عرس کے موقع پر نوری دربار کلاچی شریف حاضری کا موقع ملا۔ عرس کے آخری روز، نمازِ فجر کی جماعت سے قبل بندہ عاجز حضرت قبلہ فقیر نور محمد کلاچوی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر حاضر ہوا اور مراقبہ میں عرض کیا کہ حضرت آپ کے سلسلہ میں بیعت ہوا ہوں۔ مہربانی فرمائیں اور مجھے سروری قادری سلسلہ میں سلوک طے کرا دیں۔ بحالتِ مراقبہ بندہ عاجز پر استغراق کی کیفیت طاری ہوگئی۔ بندہ عاجز کو حضرت قبلہ فقیر نور محمد سروری قادری رحمۃ اللہ علیہ کی نہایت محبت بھری، دھیمی سے آواز سنائی دی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، ''آپ کی فائل ہمارے پاس آگئی ہے ہم نے اپنے حصہ کا کام مکمل کر دیا ہے۔ اب صرف حکمِ ربی کا انتظار ہے۔ جس طرح کسان زمین میں ہل چلاتا ہے، بیج بوتا ہے، کھیتی کو پانی دیتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا منتظر ہوتا ہے۔ اس طرح ہم نے بھی آپ کی نسبت کی تکمیل کے لیے اپنے حصے کا کام مکمل کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے منتظر ہیں۔ آپ بھی انتظار کریں۔'' اس کے بعد رابطہ منقطع ہوگیا۔ یوں محسوس ہوا کہ دربار شریف میں موجود سب حاضرین کہیں

چلے گئے ہیں۔ بندہ عاجز یہ سمجھا کہ شاید توجہ اور یکسوئی میں کمی کی بدولت حضرت قبلہ فقیر نور محمد کلاچوی رحمۃ اللہ علیہ سے رابطہ ختم ہو گیا ہے۔ بندہ نے توجہ قائم کرنے کی کوشش کی مگر رابطہ نہ ہوا۔ بندہ عاجز نے مراقبہ ختم کر کے آنکھیں کھول لیں اور دیکھا کہ نمازِ فجر کی جماعت ہو رہی ہے۔ بندہ دوڑ کر نمازِ فجر کی دوسری رکعت میں دورانِ تشہد شامل ہوا اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی نماز مکمل کی۔ نماز ادائیگی کے بعد بندہ کو سمجھ آئی کہ حضرت قبلہ فقیر نور محمد کلاچوی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے پاس موجود دیگر بزرگ نمازِ فجر کی جماعت میں شامل ہو گئے تھے جس وجہ سے بحالتِ مراقبہ رابطہ قائم نہیں رہ سکا تھا۔ یہ روحانی معاملہ پیش آئے قریباً دس برس گزر چکے ہیں۔ بندہ عاجز کو اب بھی حضرت قبلہ فقیر نور محمد کلاچوی رحمۃ اللہ علیہ کی محبت اور شفقت سے بھرپور لہجہ میں کہی گئی باتیں یاد ہیں۔ بعد میں بندہ عاجز زیادہ بار دربار عالیہ کلاچی شریف حاضر نہ ہو سکا مگر اس مشاہدہ کے بعد بندہ عاجز کا حضرت قبلہ فقیر نور محمد کلاچوی رحمۃ اللہ علیہ سے روحانی رابطہ قائم رہا۔ پیرومرشد سرکار حضرت قبلہ فقیر عبدالحمید سروری قادری مدظلہ العالی جب کبھی فیصل آباد تشریف لاتے تو بندہ عاجز ان سے اپنی روحانی کیفیات، مشاہدات اور رؤیا بیان کر کے رہنمائی حاصل کر لیتا۔ بندہ عاجز کو بحالتِ مراقبہ، بحالتِ خواب اور بحالتِ بیداری کسی نہ کسی شکل میں مدد و رہنمائی ملتی رہی۔ ۲۰۰۷ء میں بندہ عاجز نے خواب میں دیکھا کہ مرشد کریم حضرت قبلہ فقیر عبدالحمید سروری قادری کی اقتدا میں ایک صف میں بیٹھا ہوا ہے۔ بندہ عاجز کے پیچھے کچھ اور اصحاب بھی تشریف فرما ہیں۔ مرشد کریم بندہ عاجز کو قرآنِ حکیم کی تعلیم دے رہے ہیں اور بہت سے پیر بھائی اس مجلس میں موجود ہیں۔ اس خواب سے بندہ عاجز کو اندازہ ہو گیا کہ باطنی طور پر سروری قادری سلسلہ میں خلافت کی منظوری ہو گئی ہے۔ ۲۰۰۸ء کے آغاز میں پیر بھائی شیخ محمد حسین کے گھر ایک محفل میں حضرت قبلہ فقیر عبدالحمید سروری قادری نے بندہ عاجز کو مخاطب کر کے فرمایا، ہم نے آپ کو خلافت دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اپنے گھر ۴ مئی کو محفلِ میلاد منعقد کرائیں۔ اس محفل میں آپ کو خلافت عنایت ہو جائے گی۔ آپ کے حسبِ ارشاد بندہ عاجز کے غریب خانہ واقع گلی نمبر ۷ طارق آباد، فیصل آباد میں محفلِ میلاد کا انعقاد ہوا اور آپ نے بندہ عاجز کو خلافت عنایت فرمائی۔

آپ کی طرف سے خلافت عنایت ہونے کے بعد بندہ عاجز کے روحانی رابطے بہت اچھے ہو گئے۔ خلافت کے بعد بندہ عاجز کو حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ، بابا نور شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ کے مزارات اقدس پر حاضری کا شرف حاصل ہوا تو سب حضرات نے بہت نوازش فرمائی۔ جب تک حاضرِ خدمت رہتا مسلسل رابطہ رہتا اور رہنمائی ملتی رہتی۔ ان تمام بزرگوں نے بندہ عاجز کو سلسلہ بیعت عام کرنے کی تلقین فرمائی۔ ان سے رابطہ کے لیے ''دعوتِ قبور'' کے عمل کی بھی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ الحمد للہ، مرشد کریم کے فیضان کی بدولت جہاں بھی حاضری ہوئی، عزت افزائی ہوئی۔ داخل سلسلہ ہونے والے افراد کو حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ، حضرت قبلہ فقیر نور محمد کلاچوی رحمۃ اللہ علیہ اور مرشد کریم حضرت قبلہ فقیر عبدالحمید سروری قادری مدظلہ العالی سے روحانی طور پر مدد و رہنمائی ملنے لگی۔ بیعت ہونے والے بہت سے ایسے افراد جنہیں یہ بھی علم نہیں تھا کہ وہ کس سلسلہ میں بیعت ہوئے ہیں اور جنہوں نے حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ، حضرت قبلہ فقیر نور محمد کلاچوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت قبلہ فقیر عبدالحمید سروری قادری کی تصاویر نہیں دیکھی تھیں اور وہ ان سے متعارف نہیں تھے، انہیں بحالتِ خواب یا بحالتِ مراقبہ آپ حضرات کی زیارت ہوئی اور جب ان افراد کو سروری قادری سلسلہ کے ان مشائخ عظام کی تصاویر دکھائی گئیں تو انہوں نے ان بزرگوں کے نظر آنے اور ان کی طرف سے ملنے والی مدد و رہنمائی کی تصدیق کی۔

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے روزِ اول طالب کو ذاتِ حق تک پہنچانے کا جو وعدہ فرمایا ہے وہ عین درست ہے۔ بندہ عاجز کے مشاہدہ میں یہ بات آئی ہے کہ داخلِ سلسلہ ہونے والے افراد کی طرف معمولی سی توجہ کرنے سے ان کا باطن بیدار ہو گیا۔ انہیں بحالتِ مراقبہ اور بحالتِ بیداری تصورِ اسمِ ذات، تصور اسمِ نبی کریم ﷺ نظر آنے لگا۔ ان کا مشائخ عظام سے روحانی رابطہ ہو گیا اور انہیں روحانی طور پر مدد و رہنمائی ملنے لگی۔ ان افراد کے روحانی مشاہدات و تجربات کی بدولت بھی بندہ عاجز کو بہت کچھ سوچنے، سمجھنے کو ملا۔

بندہ عاجز کو اس روحانی سفر کے دوران بہت کچھ ملا اور نوازشات وعنایات کا یہ سلسلہ ہر لحظہ جاری ہے۔ بندہ عاجز کو ذاتِ باری تعالیٰ

اور ذاتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور قرب نصیب ہوا۔ ہر طرح سے اور ہر طرح کا تحفظ ملا۔ خوف اور غم دونوں صورتوں میں فوراً دلجوئی ہوئی۔ اس قدر مہربانیاں ہوئیں کہ انہیں احاطہ تحریر میں لانا ممکن نہیں۔ ذکر وفکر اور مراقبہ کے دوران وارد ہونے والی لطیف کیفیات کو صرف محسوس کیا جاسکتا ہے، بیان نہیں کیا جاسکتا۔ ان کیفیات کے ادراک کے لیے ضروری ہے کہ اس راہ پر چل کر دیکھیں۔ بندہ عاجز نے اس کتاب میں اپنے روحانی سفر کی روداد بیان کی ہے۔ چند ایک روحانی مشاہدات و تجربات بیان کیے ہیں اور عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق عام فہم انداز سے فلسفہ اور سائنس کی زبان میں راہِ سلوک بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ کتاب ذاتِ باری تعالیٰ، نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ حق (مشائخ عظام) کی ایک گناہگار بندے سے محبت اور اس پر ہونے والی عنایات کے ذکر پر مبنی ہے۔ صدق واخلاص سے اس کتاب کا بار بار مطالعہ کریں اور اس میں بیان کردہ فقر باہو کی دولت کے حصول کے لیے اس کے مندرجات پر عمل کریں۔ ان شاء اللہ آپ بھی اس روحانی نعمت سے مالا مال ہو جائیں گے۔ بندہ عاجز کو تمام فیضان بغیر کسی خاص محنت ومشقت اور ریاضت کے محض مرشد کریم کی محبت و شفقت اور نسبت کی بدولت حاصل ہوا ہے۔ داخلہ سلسلہ ہونے والوں کو بھی یہ فیضان بغیر کسی مشقت اور ریاضت کے حاصل ہو رہا ہے۔

زیادہ تر لوگ بیعت کے مفہوم، اس کی ضرورت واہمیت اور تقاضوں سے آگاہ نہیں ہیں۔ وہ اپنے جسمانی امراض کے علاج کے لیے اور سماجی ومعاشی مسائل کے حل کے لیے رابطہ کرتے ہیں۔ بندہ عاجز کوشش کرتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ ان کے مسائل حل ہوں بلکہ انہیں مقصدِ حیات سے آگاہ کیا جائے۔ ان میں طلبِ حق پیدا کی جائے۔ اس کے بعد ان کا باطن بیدار کر کے اور قلب ذاکر بنا کر ان کا اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے رابطہ قائم کر دیا جائے۔ جب کسی کے مسائل حل ہو جائیں اور انہیں یہ روحانی نعمتیں حاصل ہو جائیں تو پھر انہیں بیعت کیا جاتا ہے تاکہ انہیں حاصل ہونے والی روحانی نعمتوں کی حفاظت ہو سکے۔ بندہ عاجز نے زیادہ تر لوگ اسی طرح داخلِ سلسلہ کیے ہیں۔ اس کتاب میں مرشد کریم کے عطا کردہ فیض کی بدولت مقصدِ حیات اور اس کے حصول کا طریقہ بیان کیا گیا ہے اور حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے دعوت الی الحق دی گئی ہے کہ

طالب بیا، طالب بیا، طالب بیا تا رسانم روزِ اول باخدا
اے طالب چلا آ، اے طالب چلا آ، اے طالب چلا آ تاکہ میں پہلے دن ہی تجھے خدا تعالیٰ تک پہنچا دوں

حضرت خواجہ غلام نصیر الدین رحمۃ اللہ علیہ

(۱۹۲۸ء.....۱۱ نومبر ۲۰۱۵ء)

1982ء میں جب بندہ عاجز اور اس کے اہلِ خانہ شدید مسائل، پریشانیوں اور مشکلات کا شکار تھے تو دربار نور شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ فیصل آباد کے متولی عارف مرحوم رحمۃ اللہ علیہ سے بندہ عاجز کو پتہ چلا کہ بدر کالج، مہدی محلّہ فیصل آباد کے پرنسپل، صاحبزادہ غلام نصیر الدین مدظلہ العالی نہایت کامل ولی اللہ ہیں۔ بندہ دعائے خیر کرانے کے لیے وہاں حاضر ہوا۔ انہوں نے نہایت محبت، شفقت، خلوص اور ہمدردی کا اظہار فرمایا اور نہایت خضوع وخشوع سے دعا فرمائی۔ اس کے بعد ان کے پاس اکثر حاضری ہونے لگی۔ خانقاہ میں ان کے والدِ محترم حضرت خواجہ عبدالرحمٰن چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار اقدس بھی ہے۔ حضرت خواجہ عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ، قلندر پاک غریب نواز، حضرت خواجہ محمد عبدالعزیز چاچڑوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے اور صورت وسیرت میں اپنے مرشدِ کامل کا نقشِ ثانی تھے۔ قلندر پاک غریب نواز، حضرت خواجہ محمد عبدالعزیز چاچڑوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیش رو حضرت خواجہ نصیر الدین چاچڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید وخلیفہ تھے اور دربار چشتیہ چاچڑ شریف کے سجادہ نشین تھے۔ ان کے پیش رو حضرت خواجہ فضل الدین چاچڑوی رحمۃ اللہ علیہ کو شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے برادر حضرت خواجہ بدر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت حاصل تھی۔ حضرت خواجہ نصیر الدین چاچڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت کی وجہ سے حضرت خواجہ عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بڑے بیٹے کا نام غلام نصیر الدین (رحمۃ اللہ علیہ) رکھا تھا اور انہیں اپنے مرشد کا بیعت بھی کرا دیا تھا۔

قلندر پاک غریب نواز، حضرت خواجہ محمد عبدالعزیز چاچڑوی رحمۃ اللہ علیہ پر نسبتِ عشق غالب تھی۔ جو کوئی بھی ان کی محفل میں حاضر ہوتا اس پر وجد وکیف کی شدید کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ ان کی محفلِ سماع میں اکثر تمام حاضرینِ مجلس پر وجد کی شدید کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ یہ کیفیت وہاں پر موجود سبزہ واشجار بلکہ چرند پرند پر بھی طاری نظر آتی تھی۔ اپنے بے باکانہ اور وجد وعشق سے سرشار حال وقال کی وجہ سے قلندر پاک غریب نواز، حضرت خواجہ محمد عبدالعزیز چاچڑوی رحمۃ اللہ علیہ، قلندر کی نسبت سے معروف ومشہور ہوئے۔

حضرت خواجہ غلام نصیر الدین چاچڑوی رحمۃ اللہ علیہ کم سنی میں قلندر پاک غریب نواز، حضرت خواجہ محمد عبدالعزیز چاچڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے بیعت ہوئے تھے۔ مگر اپنے کامل واکمل والدِ محترم حضرت خواجہ عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی بدولت انہیں اپنے مرشد کریم کی نسبتِ تامہ حاصل ہوئی۔ انہیں سماع سے خصوصی شغف حاصل ہوا۔ ان کی محفل میں مرشد کریم کی محفل کا رنگ غالب آ گیا اور ذرا بھر بھی فرق نہ رہا۔

دربار عالیہ رحمٰن شریف میں نماز، جماعت پنجگانہ اور قرآن حکیم ناظرہ وحفظ کا بھی اہتمام تھا۔ حضرت قبلہ غلام نصیر الدین رحمۃ اللہ علیہ شعر وشاعری کا بھی ذوق رکھتے تھے۔ قوال حضرات سے اکثر اپنا کلام ہی سنتے تھے۔ حضرت ہر طرح کا صوفیانہ کلام (حمد، نعت، منقبت، غزل) لکھتے تھے۔ حضرت کی توجہ وشفقت اور ان کے حسنِ اخلاق کی بدولت بندہ عاجز ان سے بیعت ہو گیا۔ حضرت جی کی محفل میں وجد وسماع کی کیفیت بہت پرلطف محسوس ہوتی تھی۔ ایک دن حضرت جی نے فرمایا کہ وجد کی کیفیت میں دل اللہ اور اس کے رسول کریم ﷺ کی محبت میں سرشار ہو جاتا ہے اور ذکرِ الٰہی کے غلبہ کی بدولت قلب وروح پر بے خودی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اس شدید کیفیت کی بدولت بعض اوقات انسانی وجود رقص میں آ جاتا ہے۔ میں خود یہ کیفیت محسوس کرنا چاہتا تھا۔ حضرت جی سے عرض کیا کہ میرا بھی قلب جاری کر دیں۔ میری اس درخواست پر حضرت بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے اسی وقت ہارمونیم منگوایا اور کلام پڑھنے لگے۔ میں نے مراقبہ شروع کر دیا۔ میں نے محسوس کیا کہ میرا قلب کیف وسرور محسوس کر رہا ہے۔ میرا جسم آہستہ آہستہ جھومنے لگا۔ میں نے یہ کیفیت نہ تو خود سے پیدا کی اور نہ ہی اسے روکنے کی کوشش کی۔ مجھ پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی۔ دل میں اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی محبت کے جذبات موجزن ہو گئے۔ یہ کیفیت محفلِ سماع ختم ہونے کے بعد بھی جاری رہی۔ بعد میں یہ کیفیت مزاج میں شامل ہو گئی۔ نماز کی حالت

میں بھی یہ کیفیت طاری ہوجاتی۔ بعض اوقات سوتے وقت یہ کیفیت غالب آجاتی اور وجد ہوجاتا۔ آنکھ کھلتی تو زبان پر اللہ، اللہ کا ورد جاری ہوتا۔ کچھ عرصہ بعد طبیعت میں ضبط پیدا ہوگیا۔ تاہم، کہیں بھی حمد یہ ونعتیہ اشعار سننے میں آتے تو رقت طاری ہوجاتی اور ضبط کرنے کی کوشش کے باوجود آنکھ سے آنسو بہتے رہتے۔ حضرت جی کے پاس مجھے قریباً چودہ سال (1982ء سے 1996ء) تک باقاعدہ حاضری کا شرف حاصل رہا۔ آپ کے پاس حاضر ہوتا تو گھر بار یاد نہ رہتا۔ صبح سے شام اور شام سے صبح ہوجاتی۔ میرے بھائی، عزیز رشتہ دار اور قریبی احباب قریباً سب کے سب یہاں بیعت ہوگئے۔ مجھے اولیاء اللہ اور ان کی تعلیم سے خصوصی شغف تھا۔ مطالعہ کتب اور تصنیف وتالیف کے کاموں میں خصوصی ذوق حاصل تھا۔ اس ذوق کی وجہ سے حضرت جی کے ملفوظات درگاہِ عشق مطبوعہ 1986ء، صفحات 152؛ حضرت خواجہ عبدالعزیز چاچڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح اور حالات پر مبنی مختصر سی کتاب، مرقع قلندر (مطبوعہ 1985ء، صفحات 96؛ حضرت جی کا مجموعہ کلام سوز وسازِ دل (غیر مطبوعہ) اور حضرت جی کی تصنیف، قرآن حکیم کے تین پاروں کا منظوم ترجمہ موسوم بہ مثنوی بدر العرفان فی آثار القرآن، جلد اول، پارہ اول تا سوم، مشتمل بر 1844 اشعار' مطبوعہ 1992ء بمطابق 1413ھ صفحات 182) مرتب کرنے اور طبع کرانے کا شرف حاصل ہوا۔ ان کتب میں سے 'درگاہِ عشق' اور 'مرقع قلندر' عام کتاب سائز (23x36/16) میں ہیں 'مثنوی بدر العرفان' اور 'سوز وسازِ دل' بڑے سائز (20x30/8) میں ہیں۔ مجموعہ کلام 'سوز وسازِ دل' غیر مطبوعہ ہے۔ باقی تمام کتب طبع ہوگئی ہیں۔ ان کتب کی طباعت میں پیر بھائی غلام احمد مرحوم رحمۃ اللہ علیہ نے مالی معاونت فرمائی تھی۔ بندہ عاجز کو 22 نومبر 1992ء کو حضرت جی سے خلافت حاصل ہوئی۔

روحانی مشاہدات، مذہبی واردات اور تجربات میں خصوصی دلچسپی کی وجہ سے بندہ نے اپنی شاگردوں، دوستوں اور دیگر رابطہ کرنے والے خواتین وحضرات کو بیعت کرکے ان کی روحانی تربیت کرنا شروع کردی۔ مقصد یہی تھا کہ حضرت جی کی زیرِ نگرانی روحانی تربیت کا طریقہ معلوم کرلیا جائے اور اس کارِ خیر کی راہ میں حائل رکاوٹوں ومسائل کے حل کے لیے تعلیم وتربیت حاصل کرلی جائے۔

بندہ عاجز نے اپنے گھر پر ہفتہ وار محفلِ ذکر وفکر کا اہتمام کیا۔ محفل میں ذکر وفکر کے بعد مراقبہ کرایا جاتا اور ٹیپ ریکاڈر پر قوالی سنی جاتی۔ جب حاضرینِ مجلس مراقبہ میں ہوتے تو بندہ عاجز فرداً فرداً ان کے قلوب پر توجہ کرتا۔ توجہ کے اثرات ظاہر ہونا شروع ہوگئے۔ حاضرینِ مجلس پر وجد وکیف کی کیفیت طاری ہونا شروع ہوگئی۔ جن احباب پر وجد وکیف کی کیفیت طاری ہوئی انہیں پہلے یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ چشتیہ سلسلہ میں محفلِ سماع میں توجہ کی وجہ سے قلوب جاری ہوجاتے ہیں اور وجد وکیف کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ یہ روحانی تجربہ و مشاہدہ نہایت معروضی (Objective) تھا۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ اپنی توجہ کی بدولت دیگر افراد میں یہ کیفیت پیدا کرسکوں گا۔ اپنی توجہ کے فعال اور مؤثر ہونے پر' حاضرینِ مجلس پر وجد کی کیفیت طاری ہونے پر' ان میں اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کی محبت کے آثار اور ان کی زبان پر غلبۂ محبت کی بدولت ذکرِ الٰہی اور ذکرِ نبی ﷺ جاری ہونے پر خود اعتمادی اور ایمان وایقان میں اضافہ ہوا۔

بندہ عاجز نے پروگرام بنایا کہ حضرت جی سے ان معاملات کا ذکر کرنے کے بجائے گیارہویں شریف کی مجلس میں ان میں سے کچھ احباب کو بغیر کسی تعارف کے پیش کردوں۔ حضرت جی خود ان کی کیفیت ملاحظہ فرما کر رائے دے دیں گے۔ گیارہویں شریف کی مجلس میں محفلِ سماع شروع ہوئی۔ دورانِ محفلِ سماع ان احباب پر بھی وجد طاری ہوا۔ حضرت جی نے دریافت فرمایا یہ افراد کون ہیں؟ محفل میں سے کسی نے کہا یہ آپ کے خادم انجم کے ساتھ آئے ہیں۔ حضرت جی نے نہایت خوش ومسرت سے بندہ عاجز کی طرف دیکھا اور فیض جاری ہونے پر خوشی کا اظہار فرمایا۔ اس طرح ایک بار ہیرا نامی شخص کسی روحانی مرض کا شکار ہوا تو بندہ عاجز نے کچھ دیر اس کے قلب پر توجہ کی۔ پھر اسے حضرت جی کے پاس لے گیا۔ حضرت جی نے اس کے قلب پر نگاہ فرمائی اور فرمایا کہ پہلے ہی تمہارے قلب پر نگاہ کا اثر ہے۔ بندہ عاجز کو مرشد کریم کے توسل سے بارگاہِ الٰہی سے حاصل ہونے والے قوتِ نگاہ کی تاثیر پر اور مرشد کریم سے حاصل ہونے والی تائید وتصدیق پر بہت زیادہ روحانی مسرت حاصل ہوئی۔

وجد وسماع، کیف وسرور اور تاثیرِ نگاہ کے بارے میں ذاتی مشاہدات وتجربات اور کیفیات بیان کرنے کا اصل مقصد اپنے حال و تجربہ کے بموجب ان کی حقیقت بیان کرنا ہے۔ اکثر لوگ ان اسرارِ روحانی سے آگاہ نہیں اور وہ اپنے قیاس واندازہ سے ان کے بارے

میں رائے قائم کر لیتے ہیں اور بغیر کسی واضح دلیل کے ان امور کی تائید یا تردید کر دیتے ہیں۔

جس طرح شہد کی مکھی وحی والہام کے تحت مختلف پھلوں اور پھولوں سے رس چوس کر، درود شریف کے فیضان سے اسے شہد میں تبدیل کر دیتی ہے جسے قرآن حکیم میں انسانوں کے لیے شفا قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح کامل واکمل درویش ذکرِ الٰہی و ذکر نبوی ﷺ سے اپنے قلب میں شہد روحانی ذخیرہ کرتے ہیں۔ وہ اپنی توجہ سے یہ نورانی، روحانی نعمت بیمار دلوں میں منتقل کرتے ہیں جس سے بیمار دل شفا پاتے ہیں۔ انہیں ذکرِ الٰہی اور ذکرِ نبوی ﷺ کی نعمت نصیب ہوتی ہے اور ان دلوں میں عشقِ الٰہی و عشقِ نبوی ﷺ موجزن ہو جاتے ہیں۔ ایسے قلوب واذہان پر غلبہ عشق کی بدولت وجد وکیف وسرور کی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ ایسے قلوب، نگاہ مردِ مومن کی بدولت گناہوں کی بدولت چھا جانے والی تاریکیوں سے پل بھر میں نجات پا کر عشق وعرفان اور نور ہدایت کی روشنی سے منور ہو جاتے ہیں۔ اس ضمن میں حضرت جی کا ہی شعر ہے، فرماتے ہیں۔

یہ زہدو عبادت اور قیدِ زلف دو رستے ہیں یار کے ملنے کے
پہنچا زلف کا قیدی اک پل میں جہاں عابد پہنچا مہینے میں ہے

اولیاءاللہ کی اسی فیض رسانی کی بدولت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

یک زمانہ صحبت با اولیاء بہتر از صدسالہ طاعت بے ریا

ذاتِ باری تعالیٰ نے رات کی تاریکی میں روشنی حاصل کرنے کے لیے توانائی کے مختلف ذرائع مہیا فرمائے ہیں۔ کوئی زمانہ تھا کہ روشنی کے لیے ایندھن، لکڑی، کوئلہ وغیرہ جلا کر روشنی حاصل کی جاتی تھی۔ پھر انسان نے چراغ بنانا اور موم سے موم بتی بنانا سیکھ لیا۔ مٹی کے تیل، سرسوں کے تیل سے روشنی حاصل کرنا اور مشعلیں بنانا شروع کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے بجلی پیدا کرنے اور بجلی سے کام لینے، بلب، ٹیوب لائٹ بنانے کی تعلیم دے دی۔ اسے ایٹمی توانائی، شمسی توانائی پیدا کرنے اور سٹور کرنے کے طریقے سکھا دیئے۔ عصرِ حاضر کی ان جدید سہولتوں کے میسر ہوتے ہوئے روشنی حاصل کرنے کے قدیم ذرائع (شمع وچراغ) کے استعمال پر اصرار حیاتِ عارضی کے ساتھ ناانصافی اور جہل ونادانی ہی شمار ہوگا۔

مختلف سلوک روحانی اولیاءاللہ کے صدیوں کے روحانی مشاہدات وتجربات، ریاضتوں اور وحی الٰہی (قرآن وسنت) کے میزان پر پرکھے ہوئے افکار وتصورات اور تعلیمات پر مبنی ہیں۔ ان سے استفادہ نہ کرنا کفرانِ نعمت کے برابر ہے۔

علمِ تصوف (علمِ معرفت، علمِ عرفان) روحانی سائنس ہے۔ مادی سائنس کی طرح روحانی سائنس میں بھی مختلف مظاہر کے پیچھے اصول وقوانین کارفرما ہیں۔ جس طرح انسانیت کی فلاح وبقا کے لیے دین اسلام کے بنیادی عقائد کی روشنی میں ذاتِ باری تعالیٰ کے مقرر کردہ اخلاقی اصولوں کے تحت کائنات اور مظاہر کائنات میں غور وفکر اور کائنات میں کارفرما فطرتی قوتوں سے کام لینا عین جائز ہے۔ اسی طرح اور انہی اصولوں کے تحت روحانی سائنس سے استفادہ کرنا بھی عین جائز بلکہ نہایت مستحسن ہے۔

آج کل بازار سے نہ تو خالص شہد میسر ہے اور نہ ہی دودھ۔ گندم، چاول، مرچ، مصالحہ جات، دالوں وغیرہ غرضیکہ ہر شے میں ملاوٹ ہو رہی ہے۔ ناقص گندے اور فاسد مادوں سے آلودہ پانی سے پروردہ پھل اور سبزیاں پکانے کو ملتی ہیں۔ ادویات بھی خالص نہیں ملتیں۔ کھانے کے لیے ایسے مردار جانوروں کا گوشت ملتا ہے کہ ان کا نام بھی نہیں لیا جا سکتا۔ تو کیا لوگوں نے گوشت، شہد، دودھ، اناج، سبزیاں، پھل، استعمال کرنے چھوڑ دیئے ہیں۔ ہر کوئی استعمال کر رہا ہے اور بغیر کسی تفتیش وتحقیق اور احتیاط کے، استعمال کر رہا ہے۔ عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ ان اشیاء کی فراہمی کے لیے احتیاط، محنت اور کوشش سے کام لیا جائے، نہ کہ ان کا استعمال ترک کیا جائے۔

دینی تعلیم ہو یا دنیوی تعلیم ہر جگہ غارت گرِ ایمان عناصر حیلے بہانے سے، خفیہ طور پر یا اعلانیہ، اپنے افکار وتصورات کی تعلیم دے رہے ہیں۔ خانقاہی نظام میں بھی خود غرض، مفاد پرست گروہ اور طبقات اپنے دنیوی مفادات کی خاطر لوگوں کو غلط تعلیمات دے رہے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے ان اسلام دشمن عناصر کی انسانیت سوز سرگرمیوں کا تدارک کیا جائے نہ کہ لوگوں کو دینی، دنیوی، سائنسی اور

روحانی تعلیم سے متنفر کر دیا جائے۔

جو لوگ انسانی عظمت کے قائل ہیں۔انسان کو خدا تعالیٰ کا دستِ قدرت اور زبان تصور کرتے ہیں۔معراجِ انسانی کے قائل ہیں۔ ارتقائے حیاتِ انسانی کے لامحدود ممکنات کے قائل ہیں۔ وہ روحانیت کے بھی قائل ہیں اور روحانی سائنس کی قدر و قیمت،ضرورت و اہمیت اور روحانی تعلیم وتربیت کی ضرورت کے بھی قائل ہیں۔جو لوگ انسان کو محض عاجز مخلوق تصور کرتے ہیں اور صرف رسمی ورواجی عبادت کے قائل ہیں۔وہ روحانیت اور انسان کی روحانی ضروریات کے بھی منکر ہیں اور کسی نہ کسی بہانے سے، جاہل، گمراہ، بدعقیدہ، جعلی پیروں کے حوالے دے کر لوگوں کو خانقاہی نظام سے متنفر کرتے رہتے ہیں۔ ہر انسان کو چاہیے کہ وہ تحقیقی وتنقیدی انداز سے ان امور کا جائزہ لے اور اپنی راہِ عمل متعین کرے کیونکہ ہر ایک کو ذاتِ باری تعالیٰ کے حضور اپنے اعمال کے لیے جواب دہ ہونا پڑے گا اور اپنے غلط اعمال کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔جبکہ نیک اعمال کی یقیناً اسے جزا ملے گی۔

عزیزانِ من! اہلِ تصوف صدق واخلاص کے پیکر ہوتے ہیں۔ان کا فرقہ وارانہ تعصّبات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہ ہر مسلک، فرقے اور مذہب کے لوگوں کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ان کی خدمت کرتے ہیں اور اپنی محبت سے نوازتے ہیں۔ بندہ عاجز نے اس کتاب میں اپنے احوال و کیفیات کے منصفانہ جائزہ لیتے ہوئے اپنے علم ویقین کی حد تک بغیر کسی تعصب کے، بلاکم وکاست اسلامی تصوف اور اعلیٰ اقدار کی روحانی شخصیات کا تعارف کرانے کی کوشش کی ہے۔اہلِ حق کی پیروی کے بغیر حق تک رسائی ممکن نہیں۔عصرِ حاضر میں اہلِ حق کا ملنا بہت مشکل ہے۔ تاہم، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے اسوۂ کے مطابق کوشش جاری رہنی چاہیے۔ جویندہ یابندہ۔

حضرت خواجہ غلام نصیر الدین رحمۃ اللہ علیہ صوم وصلوٰۃ کے نہایت پابند تھے۔اپنے مرشد کریم کے طریقے کے سختی سے کاربند اور اخفائے حال کے قائل تھے۔ قادر الکلام شاعر تھے۔ ہر وقت پاسِ انفاس (ذکرِ قلبی) میں مشغول رہتے تھے۔مریدین کو زیادہ وظائف کی تلقین نہیں فرماتے تھے بلکہ ان کی روحانی تربیت کے لیے زیادہ تر اپنی قوتِ نگاہ سے کام لیتے تھے۔حضرت جی نبی کریم ﷺ، اپنے مشائخ اور مرشد کریم سے شدید عشق رکھتے تھے۔ایک بار حضرت جی چلنے پھرنے سے معذور ہوگئے۔ ماہِ ربیع الاول میں انہوں نے روزانہ ایک نعت کہی۔اسی طرح انہوں نے قریباً اٹھائیس یا انتیس نعتیں لکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں نعت گوئی کی برکت سے دوبارہ چلنے پھرنے کی صلاحیت عطا فرما دی۔

مجھے مطالعہ کا شوق تھا۔اپنے گھر اکثر مطالعہ کرتا رہتا تھا۔ جب حضرت جی کے پاس حاضر ہوتا تو حضرت واضح طور پر میرے زیرِ مطالعہ کتاب کا مضمون سنا دیتے تھے۔ایک بار میں نے روزانہ بعد از نماز عصر مراقبہ شروع کر دیا۔ دوران مراقبہ مشاہدات ہونے لگے۔ مشاہدات کی تفہیم وتعبیر میں، میں بڑی احتیاط سے کام لیتا تھا۔ میں نے اپنے ان مراقبات ومشاہدات کا کسی سے بھی ذکر نہیں کیا۔ایک دن حضرت جی کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمانے لگے،'' آج کل آپ بڑی باقاعدگی سے مراقبہ کر رہے ہیں اور پھونک پھونک کر قدم رکھ رہے ہیں''۔اس سے ثابت ہوا کہ حضرت جی بندہ عاجز کے معاملات کی نگرانی فرماتے رہتے تھے اور اس کے احوال سے باخبر تھے۔ایک بار بندہ نے تصورِ شیخ قائم نہ ہونے کی وجہ سے حضرت جی کی تصویر دیکھ کر مشق کرنے کی کوشش کی۔حضرت جی کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمانے لگے۔'' بھئی دوسرے مرید تو تصورِ شیخ کی مشق کرتے ہیں انجم صاحب تصویرِ شیخ سے تصور قائم کرنے کی مشق کر رہے ہیں''۔

حضرت جی مشائخ عظام کے بیان کردہ سماع سننے کے آداب کی سختی سے پابندی فرماتے تھے۔ ہر جمعرات اور گیارہویں شریف کو محفلِ سماع کا اہتمام ہوتا تھا۔ان مواقع وایام کے علاوہ بھی جب کبھی حضرت کی طبیعت چاہتی ان کے تربیت یافتہ مریدین جو اکثر خانقاہ کے خصوصی خدام میں سے ہوتے اور وہاں پر قیام پذیر ہوتے تھے،انہیں حسبِ خواہش بالمزامیر یا بغیر مزامیر کے کلام سنا دیتے تھے۔ بندہ نے وہاں حاضری کے ایام میں دیکھا کہ بعض اوقات تو رات بھر محفلِ سماع جاری رہتی۔اسی طرح دن کو بھی نماز کے اوقات چھوڑ کر اکثر و بیشتر سماع کا اہتمام ہوتا رہتا۔کبھی کبھار حضرت جی خود بھی خوبصورت آواز سے، لے اور ترنم کے ساتھ ہارمونیم پر کلام پڑھ لیتے تھے۔آپ کلام بھی گا کر، لے اور ترنم کے وزن پر کہتے تھے۔آپ نے باقاعدہ علم عروض نہیں سیکھا تھا اور آپ کا قریباً تمام کلام آمد پر مشتمل ہے۔ کچھ عرصہ

آپ فیصل آباد کے مشہور شاعر افضل خاکسار سے اصلاح بھی لیتے رہے مگر علمِ عروض کی پابندیوں سے گھبرا کر جلد یہ سلسلہ موقوف کر دیا۔

آج کل ٹیلی ویژن پر یا عام منعقد ہونے والی محافلِ سماع میں آدابِ سماع کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ ایسے سماع کو مشائخ وعلماء نے حرام قرار دیا ہے۔

حضرت جی کی محفل میں آدابِ محفل کا بھی بہت خیال رکھا جاتا تھا۔ باقاعدہ منعقد ہونے والی محافل میں تمام لوگ باوضو حاضر ہوتے۔ تمام حاضرین حفظِ مراتب کا خیال کرتے ہوئے ترتیب سے بیٹھتے۔ محفل میں کوئی ایک دوسرے سے بات چیت یا سرگوشی نہیں کرتا تھا۔ محفل کا آغاز تلاوت کلام پاک سے اور اختتام ختم شریف اور دعائے خیر پر ہوتا۔

چشتیہ سلسلہ کی کئی اور خانقاہوں پر بھی محفلِ سماع میں حاضر ہونے اور سماع سننے کا اتفاق ہوا مگر آدابِ محفل، وجد وکیف اور سرور کے لحاظ سے حضرت جی کی محفل کا سا رنگ کہیں بھی نظر نہیں آیا۔ حضرت جی بہت گہری نگاہ اور توجہ کے مالک تھے۔ جس کی طرف توجہ ہوتی چند ایک لمحوں بعد میں اس کی کیفیت اور حالت تبدیل ہو جاتی۔ بارہا دیکھا کہ ان کی محفل میں دنیا دار لوگ بغیر وضو کے ننگے سر حاضر ہوئے اور عامیانہ انداز سے بیٹھ جاتے۔ تھوڑی دیر بعد وہی لوگ بغیر کسی تلقین کے اٹھتے' وضو کرتے، سر پر ٹوپی رکھتے اور مودبانہ انداز سے بیٹھ جاتے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان پر وجد وکیف کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ ان کی زبان پر اللہ کا ورد جاری ہو جاتا۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے اور وہ عشقِ الٰہی اور حُبِّ نبوی ﷺ میں ماہئ بے آب کی طرح تڑپنے لگتے۔ ان کے دل کی دنیا یکسر بدل جاتی تھی۔ بعض اوقات ایسے افراد کی حالتِ اضطراب ختم کرنے کے لیے مبادا کہ اس کیفیت سے ان پر مستقلاً کیفیتِ جذب طاری نہ ہو جائے حضرت جی توجہ ہٹا لیتے۔ اگر محفلِ سماع ہوتی تو آہستہ آہستہ تال میل اور سرآواز کا آہنگ دھیما کر کے قوالی بند کروانا پڑتی۔ دیکھا گیا کہ بعض افراد پر بعد میں بھی یہ شدید کیفیت کافی دیر تک طاری رہتی۔ جو لوگ شریعت کی پابندی کرتے' باقاعدگی سے ذکر وفکر کرتے' یہ کیفیت مستقل طور پر ان کے مزاج کا حصہ بن جاتی۔ الحمد للہ! بندہ عاجز نہایت وثوق سے کہتا ہے کہ وہ کیفیت جو اسے قریباً پینتیس برس قبل حاصل ہوئی تھی آج بھی قلب وروح میں موجزن ہے اور ذرا سی توجہ اور یکسوئی سے تمام جسم میں، قلب وروح میں بغیر کسی اختیار کے ذکرِ الٰہی جاری ہو جاتا ہے۔ قلب میں حرکت کی بدولت تمام جسم پر ارتعاش (Vibration) کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور قالب، ذکرِ قلبی میں مشغول ہو جاتا ہے۔ حضرت جی تا حیات، لگا تار ہر کس وناکس کو نوازتے رہے اور دیدہ ور پیدا کرنے کی کوشش میں ہمہ تن اور ہمہ وقت مصروف ومشغول رہے۔ آپ ہر وقت ذکر پاسِ انفاس میں مشغول رہتے تھے اور اسی حالت میں 11 نومبر 2015ء بروز بدھ وار کو وصال فرما گئے۔ اللہ تعالیٰ تا ابدالآباد آپ کے مدارج بلند فرمائے اور عقیدت مندوں کو آپ کی طرح ذوق وشوق اور صدق واخلاص سے شریعت کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

نمونۂ کلام

از

مثنوی بدرالعرفان فی آثارالقرآن (منظوم اردو ترجمہ وتفسیر پارہ اول تا سوم)

تصنیف

حضرت خواجہ محمد غلام نصیرالدین رحمۃ اللہ علیہ

تعارفِ قرآنِ مجید والفرقانِ حمید

قرأ کے معنیٰ ہیں پڑھنا وجہ تسمیہ قرآنی
بکثرت پڑھتی ہے دنیا کلام پاک ربانی

مثال اس کی نہیں ملتی زمینوں آسمانوں میں
تراجم ہو چکے ہیں ساری دُنیا کی زبانوں میں

یہ فاران کے پہاڑوں پر خُدا کا نور اُترا ہے
عروجِ آدمیت کے لیے دستور اُترا ہے

تجلّیاتِ ربانی کا مظہر الکتاب آیا
کہ جس کو لے کے احمدؐ سیّد عالی جناب آیا

خدا فرمائے یہ قرآں پہاڑوں کو دکھا دیتا
بنا کر ریت کے ذرے ہوا میں سب اُڑا دیتا

جلالِ کبریا ہے یہ جمالِ مصطفیٰ ہے یہ
وصالِ مرتضیٰ ہے یہ کمالِ کربلا ہے یہ

پڑھا جائے بکثرت یہ نمازِ پنجگانہ میں
ہجومِ جمعہ اطہر میں شبینوں میں شبانہ میں

مقامِ اَدب پر فائز جو قرآنِ مکرّم ہے
فصیحوں کا جگر کانپے بلیغوں کی عقل گُم ہے

ہے رمضان المکرّم میں یہ قرآنِ حکیم اُترا
کہ انزلنا سے اک دم میں یہ الطافِ عمیم اُترا

یہ تنزیلاً سے ظاہر ہے کہ پھر آہستہ آہستہ
یہ بائیس سال دو ماہ بائی دن میں اُترا آہستہ

بارہ سال تیرہ دن مہینے پانچ مکّہ میں
کہ نو ماہ سال نو اور یوم نو اس پاک بطحا میں

ہزاراں چھ و چھ سو اور چھیاسٹھ آیتیں اُتریں
یہ سب مکی و مدنی اک سو چودہ سورتیں اُتریں

کتابِ واحد و یکتا نہیں اس میں کمی بیشی
وہی ترتیب تدوینی وہی زیری زَبر پیشی

صحیفے آسمانی سب کتابی شکل میں آئے
لکھی تحریر ذو معنے بمشکل عقل میں آئے

مگر قرآن بنطقِ سیّد عالی مقام آیا
وہی اندازِ جبریلی وہی صاحبِ کلام آیا

کلامِ پاک رَبّانی وحی جبریلؑ صمدانی
محمدؐ کی ہے لسّانی صحابہ حفظِ قرآنی

ادھر کرتے بیان احمدؐ صحابہ یاد کرلیتے
وہی انداز و لہجہ بے محابا یاد کر لیتے

یوں ہی محفوظ ہوتا جارہا تھا ان کے سینوں میں
وہ پتوں پر کھجوروں کے وہ پتھر کے نگینوں میں

مگر جنگِ یمامہ سات سو حافظ گئے مارے
جنھوں نے جان کے جوہر محمدؐ پاک پر وارے

تفکّر سے عمرؓ نے عرض کی دربارِ صدیقؓ
کرے گا حافظوں کے بعد قرآن کون تصدیق

اگر جامِ شہادت یہ صحابہ نوش کر جائیں
تو قرآنِ مکرّم ڈھونڈنے مسلم کدھر جائیں

بلا تاخیر تدوینِ کلامِ پاک ہے لازم
تحفظ کلّی قرآنِ شہہِ لولاک ہے لازم

یہ آیا تھا فریضہ زید بن ثابتؓ کے حصّے میں
خُدا کی رحمتِ خاصہ یہ آئے جس کے حصّے میں
اسی ترتیب سے، جیسے کہ فُرمانِ محمدؐ تھا
وہی انداز و لہجہ جو کہ لسّان محمدؐ تھا
خُدا کے کرم سے قرآن کی تدوین کر ڈالی
بلا تحریف تدوین قابلِ تحسین کر ڈالی
یہ نادر تحفہ قرآں آیا دربارِ صدیقیؓ میں
بنا پھر زینتِ عزّت یہ سرکارِ فاروقی میں
عمرؓ کے بعد ان کی دختر حفصہؓ کے پاس آیا
خزینے کی طرح رکھا جو نسخہ اُن کے پاس آیا
خلافتِ طاہرہ عثمان ذوالنورینؓ کی آئی
کہ ایسی عجب حالت جنگ آرمینا میں در آئی
حذیفہؓ دیکھ کر حیران ہوتے تھے قرآن خوانی
کوئی مصری و شامی کوئی ایرانی و تورانی
تلفظ اور لہجہ وہ محمدؐ مصطفیٰؐ والا
علاقائی زبانوں نے تھا یکسر ہی بدل ڈالا
یہ خدشہ ہو گیا پیدا بدل جائے نہ اصلیت
یہ فتنہ کھو نہ دے قرآں کی وہ عالی کمالیت
بدیں وجہ امیر المومنینؓ نے زیدؓ بلوائے
صحیفہ لے کے حفصہؓ سے تھے نسخے سات لکھوائے
وہ نسخے ہر بلادِ ملکِ اسلامی میں بھیجے تھے
بلا تحریف لکھے طرزِ الہامی میں بھیجے تھے
یہ فرمایا کہ ہرگز اس میں تبدیلی نہ ہو پیدا
نہ افراطی نہ تفریطی و تقلیلی نہ ہو پیدا
خُدا کے فضل سے اب تک یہ قرآنی کرشمہ ہے
مکمل بہ زبان مصطفیٰ نورانی نسخہ ہے
یہ سب دنیا میں واحد اک کتابِ کائناتی ہے
ہمہ گیر و ہمہ پہلو محیط شش جہانی ہے
کلامِ پاک رَبّانی زبانِ مصطفیٰ ہے یہ
تلاوت با ادب مُسلم کہ شانِ مصطفیٰؐ ہے یہ
زبانِ پاکیزہ دل اطہر خشوع سے باوضو ہوکر
تلاوت پاک کرنا عاجزی سے اس کی رو رو کر
نصیرؔ بے نوا خاطر خُدا سے یہ دعا کرنا
اسے بھی ہو عطا قرآن باحُسنِ ادا پڑھنا (29)

ابتدائیہ دُعا ومناجات بحضور باری تعالیٰ بحقِ احمدِ مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

خدایا صدقۂ احمدؐ عطا کر ہمتِ کامل
مُحمد مصطفیٰ کی ذات ہو امداد میں شامل
عطا کر سینے کو وسعت تخیل کو دے تابانی
مرے تاریک دل پر ہو مجلّی نورِ ربّانی
کہاں ناقص کی بشریت کہاں ان کی محمّدیت
کہاں قرآن ربّانی کہاں میری کم علمیّت
وحی جبریل قاصد ہوں کلامِ پاک ربّانی
محمد مصطفیٰ کے دہنِ اطہر کی ہو لسّانی
ہے فرمانِ خُدا قرآں پہاڑوں کو دکھا دیتا
بنا کر ریت کے ذرے ہوا میں سب اُڑا دیتا
مترجم میرے جیسا کمترین توبہ معاذ اللہ
کہاں کمتر سے کمتر میں کہاں وہ شانِ اَو اَدنیٰ
مگر امداد تیری ہو کرم کردیں شہِ بطحا
تو میں اس بحرِ نُوری میں شنا ہوتا ہوں بسم اللہ (30)

تفسیر بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اس سے میں کہ جس کا نام ہے اللہ
جو رحمٰن جہاناں ہے رحیم اولیاء اللہ
بڑی ہے شانِ بسم اللہ کہ ہر سورۃ سے اول ہے
نمل کی سورۂ اطہر میں تفصیلِ مکمل ہے
سلیمانؑ نے سرِ خط پر جو بسم اللہ بنا ڈالا
یمن پر ملکۂ بلقیس کو ملکہ بنا ڈالا
یہ بسم اللہ حدیبیہ میں جو لکھا کملی والے نے
بشارت فتح مکہ کی عطا کی کعبے والے نے
یہ جب سے بائے بسم اللہ مدد ہے رَبِّ باری کی
اسی دن محمدؐ سے مدد لینا بھی جاری کی

مدد کا جو طریقہ بائے بسم اللہ میں فائز ہے
خُدا کے نیک بندوں سے مدد لینا بھی جائز ہے
ہے اول فعل پوشیدہ اعانت بائے بسم اللہ
میں ہر اک کام میں پڑھتا ہوں بسم اللہ بسم اللہ

وہ عثمانؓ بن ابی العاص آئے دربارِ محمدؐ میں
عرض کی یا رسُول اللہ ہوں بیماری کی میں زد میں
کہ جب سے روشنی اسلام کی دل میں درآئی ہے
اک آندھی دردِ جسمانی کی سر پر چڑھ کے آئی ہے
یہ میرے جسم کا ہر بال شاہا درد کرتا ہے
غلام بے نوا تیرا نہ جیتا ہے نہ مرتا ہے
نگاہِ کرم ڈالی اور فرمایا رسُول اللہؐ
بدن پر ہاتھ رکھ کر پڑھ مسلسل بار بسم اللہ
شفا من جانب اللہ ہے بحقِ اسم بسم اللہ
شفائے کاملہ باعث ہے پڑھنا اسمِ بسم اللہ
ہے بے حد رحمتوں والا یہ اسمِ پاک رحمانی
رحیمی سے بھی بڑھ کر ہے ہمہ گیری میں رحمانی
کہ رحمت کا سمندر ہے وہ رحمٰن الرحیم آقا
کلیدِ رحمتِ عالم ہے یہ وردانِ بسم اللہ

تعارف.....سُورۃ فاتحہ

ہوئیں الحمد میں وارد ہیں سات آیت قرآنی بھی
یہ ہیں امّ القرآن ، الفاتحہ، سبعِ مثانی بھی
اسے سورہ شفا فرمایا احمد کملی والے نے
''کلیدِ رازِ قرآن'' رحمتوں کے تاج والے نے (31)

تفسیر سورہ الفاتحہ

(1)

یہ سب حمد و ثنا وقفِ خدائے کل جہاناں ہے
محیط رحمتِ ربی زمین و آسماناں ہے
خدائے احمدِ مرسل خُدا ہے سب جہانوں کا
فقیروں، عاشقوں کا، عالموں کا، رازدانوں کا
خدا مومن کو بھی اور رزق کافر کو بھی دیتا ہے
وہ رب ہے پالنے والا ہر اک مقسوم لیتا ہے
بحمداللہ ربوبیت کی تربیت میں مسلم ہے
یہ خاص انعام ہے اس کا جو وقفِ ذات مسلم ہے

(2)

رحیمی شان کا سایہ محمدؐ کے غلاموں پر
یہ رحمٰن الرحیم آیا ہے فائق سب کلاموں پر

(3)

وہ مالک دین کے دن کا حشر کا نشر کا والی
وہ مالکِ یوم الدین مولا وہ ہر عالی سے ہے عالی
پتہ چل جائے گا خود ہی کہ جب یوم الحساب آیا
بمعہ شانِ جلالی جبکہ وہ عالی جناب آیا

(4)

عبادت کرتے ہیں اس کی جو رَبِّ محمدؐ ہے
ہمارے عقل کی ادراک کی یہ آخری حد ہے
عبادت بےطلب اِیَّا کَ نَعْبُدُ سے نمایاں ہے
خُدا سے سودا کرنے والا محض اک مردِ ناداں ہے
عبادت کرتے ہیں تیری فقط تیری رضا کی خاطر
ہمارا جینا مرنا ہے خدا و مصطفیؐ خاطر
عبادت کرنے کی خاطر مدد بھی تجھ سے مانگیں ہیں
توجہ کاملہ سوئے محمدؐ تجھ سے مانگیں ہیں
ہم اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہہ کر مدد کی بھیک مانگیں ہیں
تیری بندوں سے گر مانگیں تو بالکل ٹھیک مانگیں ہیں
کرامت جو ولیوں کی ہے عظمتِ ذوالجلالی ہے
کہ جو بدبخت نہ مانے وہ رحمت سے بھی خالی ہے
مدد بالواسطہ جو ہے مشیت پاک ہے تیری
شمس تیرا قمر تیرا یہ باد و خاک ہے تیری

وسیلے کے سوا قائم نہ دیں ہے نہ ہی دنیا ہے
وسیلے کے سوا دنیا میں بندہ ہے نہ مولا ہے

کسان آیا اناج آیا نبی آئے تو دیں آیا
وسیلہ بن کے دنیا میں یہ قُرآنِ مبیں آیا

وہ درسِ رہبری میں جو صراطِ مستقیم آیا
یہ سیدھا راستہ لے کر مرا دُرِّ یتیم آیا

(5)

خدایا کر ہدایت اس صراطِ مستقیمی کی
بڑی امید ہے ہم کو محمدؐ کی کریمی کی

(6)

وہ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ جن حبیبوں کے لیے آیا
مرے سر پر رہے دائم تیرے محبوب کا سایہ

وہ نقشِ سرِّ دلبَر کا تعین بالقرآن آیا
کہ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ سے مقلد کا نشاں آیا

نہ ہووے پیروی جب تک خدا کے بندوں کی
محمدؐ کے غلاموں کی ولیوں مستمندوں کی

خدا تک تا قیامت راہ ہرگز مل نہیں سکتی
کلی دل کی بجز ولیوں کے ہرگز کھل نہیں سکتی

خدا کو ماننے والا ہے لازم مُصطفیٰؐ مانے
خُدا کا بندہ ہے وہ جو کہ بندۂ خدا مانے

(7)

نہ مانے جو حبیبِ دو جہاں کو بخت مارا ہو
خدا سے دُور ہے وہ خواہ یہودی ہو نصاریٰ ہو

وہ مَغۡضُوۡبِ عَلَیۡهِمۡ اور وَلَا الضَّآلِّیۡن بتلایا
کسی کو غضب کا مارا کسی کو گمراہ ٹھہرایا

وہ بندے کو کبھی طٰہٰؑ کبھی یٰسینؑ کہتا ہے
کہ بندے کی صداقت پر خدا آمین کہتا ہے

وجہ تسمیہ سورہ البقرہ

وجہ تسمیہ البقرہ یہ سورت گائے والی ہے
کہ اعجازِ کلیم اللہ نے جاں مردے میں ڈالی ہے

تھا عابل نام سوداگر بڑا ہی صاحبِ ثروت
خدائے پاک نے اس کو عطا کی تھی بڑی دولت

یہ زر بھی دنیائے دوں میں فسادِ آدمیّت ہے
حرص پیدا ہو دل میں تو یہ زر بھی بربریّت ہے

تھا کر ڈالا قتل عابیل کو اس کے برادر نے
عمل اتنا کیا مخفی نہ دیکھا چشمِ مادر نے

وہ اسرائیل پر ڈالے قصاصِ قتل کا دعویٰ
بدیں حالت لگے کہنے جنابِ حضرت موسیٰؑ

ہو گائے نوجواں بے داغ رنگِ گندمی والی
مکمل صحت والی ہر قسم کے داغ سے خالی

ذبح کر کے وہ گائے گوشت لاشہ پر جو دے مارا
وہ مردہ کر دیا زندہ کلیم اللہ نے دوبارہ

لگا کہنے مرا قاتل برادر خاص ہے میرا
فلاں موقع اڑایا سر فلاں ہتھیار سے میرا

یہ اتنا کہہ کے پھر وہ تو ازل کی نیند جا سویا
ہوا یاں معجزہ موسیٰؑ کا گائے گوشت سے پیدا

وہ آیاتِ خداوندی یُرِیۡکُمۡ کہہ کہ بتلا دی
خدا کے متقی بندوں کو راہِ پاک دکھلا دی

خدائے پاک ویسے بھی اگر چاہتا جگا دیتا
وہ قادرِ کُلِّ شَیۡءٍ اس کو دوبارہ اُٹھا دیتا

وسیلے کے سوا رَبِّ دو عالم یہ نہیں چاہتا
بجز نبیوں کے ولیوں کے وہ کرنا کچھ نہیں چاہتا (32)

نمونہ کلام حضرت خواجہ محمد غلام نصیر الدین رحمۃ اللہ علیہ
از
صوفیانہ، عارفانہ، عاجزانہ، مؤدبانہ، مجموعۂ کلام
سوز و سازِ دل

نعتِ رسول مقبول ﷺ

یا محمدؐ ہزاروں سلام آپ پر　　آپ کی آل پر آپ کی ذات پر
آپ شمس الضحیٰ آپ بدرالدجیٰ　　آپ خیر الوریٰ ساری آفاق پر
آپ صلِ علیٰ آپ نورِ خدا　　آپ ماہِ لقا ساری لولاک پر
چاند ٹکڑے کیا شمس لوٹا دیا　　کرم کتنا کیا عرب کی خاک پر
شاہ عرب و عجم دست بستہ ہیں ہم　　ہووے نظرِ کرم حالِ غمناک پر
جدِّ حسنین للہ کرم کیجئے　　اس نصیر بے مایہ کم اوقات پر

نعتِ رسول مقبول ﷺ

محمد کے روئے منور کی مانند نہ چندا نہ سورج کی ہے چاندنی
یوں اندھیرے میں اک دم اجالا ہوا پھیلی غارِ حرا سے عجب روشنی

کیسی سج دھج سے اٹھا حبیبِ خدا با ادب انبیا کا امام آگیا
ساتھ شمس و قمر سر پہ سایہ قمر آگے آگے چلے چاند کی چاندنی

ان کے گیسو سیاہ، ان کی کملی سیاہ، ان کا حبشی سیاہ، حجرِ اسود سیاہ
اس سیاہی میں حکمت یہی ہے چھپی جل نہ جائیں سبھی دیکھ کے یہ روشنی

ان کی ترچھی نظر ان کی بانکی ادا ان کے خمدار گیسو خدا کی پناہ
گوشہ گوشہ منور ہوا سر بسر آج ایسی کری میرے گھر روشنی

مدینے سے اٹھے سینے میں آئے جو سینے سے اٹھے مدینے میں آئے
کوئی اور راستے میں حائل نہیں ہے اِدھر روشنی ہے اُدھر روشنی

میں گنہگار پر بھی کرم کر دیا میرے بے جان بت کو صنم کردیا
اس طرح نور احمد میں ضم کردیا میری تاریکی کو کھا گئی روشنی

اے نصیرا سیاہ پیکرا یہ بتا تیرا تاریک پنجرہ ہے کس کام کا
تجھ پہ قربان پروانے مثلِ شمع تیرے پنجرے میں کی احمدؐ نے روشنی

منقبت حضرت علیؓ

علی کے چہرے میں ہم نے شبیہہِ مُصطفیٰ دیکھی
علی کے گھر کی عزت ہم نے زہرا کی ردا دیکھی

خدائے ذوالجلال آیا نظر شانِ محمد میں
محمد مصطفیٰ میں ہم نے شانِ مرتضیٰ دیکھی

خدا نے دستِ حیدر پر اٹھا کے رکھ دیا خیبر
کہ شان کل آتی اس جا پہ ہم نے برملا دیکھی

اسی گھر میں ہوئے پیدا حسینؓ و حسنؓ شہزادے
یہیں پر خسروی دیکھی یہیں پر کربلا دیکھی

علی مِنّی علی مِنّی شہہِ بطحیٰ نے فرمایا
کہ من کنت علی مولا عرش پر بھی صدا دیکھی

شہنشاہِ نجف مشکل کشا شیرِ خدا دیکھے
علی کی ذاتِ برحق منبع جود و سخا دیکھی

وہ حیدر بھی ہیں صفدر بھی وہ شان بُو ترابی بھی
ہر اک حاجت نصؔیر ہم نے یہاں ہوتی روا دیکھی

غزل

دیکھو ہم کلام میں کس سے ہوں یہ کس طرح کا مقام ہے
کہ کلیم کی بھی خبر نہیں نہ کلیم ہے نہ کلام ہے

یہ کون مجھ پہ ہے چھا گیا میری ذات کو بھی مٹا گیا
میں کس جگہ پہ ہوں آ گیا جہاں موت ہے نہ دوام ہے

نہ شرق ہے نہ ہی غرب ہے نہ ہی شمال ہے نہ ہی جنوب ہے
نہ طلوع ہے نہ غروب ہے نہ ہی صبح ہے نہ ہی شام ہے

ہر سو ہے رقصِ سرمدی ہر سو ہے ذکرِ احمدیؐ
کیسی عجب ہے بنسری وجدان کتنا عام ہے

اب سادھو سنت بھی دیکھ لیں اب سارے پنتھ بھی دیکھ لیں
جوگی یہ گرنتھ بھی دیکھ لیں کیا صاحبِ اکرام ہے

ہُو ہُو کی رٹ میں گُم ہوئے ''صُم'' ہوئے ''بکُم'' ہوئے
ہم تم ہوئے تم ہم ہوئے یہاں دوئی کا کیا کام ہے

گو میں رہینِ ستم رہا' رحمٰن تیرا کرم رہا
ہر جگہ میرا بھرم رہا بے حد تیرا انعام ہے

مجھے فخر نہیں ذرا مجھے نازِ نسب نہیں ذرا
دربان تیرے حضور کا بندہ ادنیٰ تیرا غلام ہے

مجھے ختم کر کے کرم کیا میری خاک کو بھی صنم کیا
مجھے غرضِ دیر و حرم کیا تیری خاکِ پا کو سلام ہے

نہ سرشت میں ہو سرمدی کیا خاک یہ ہے سکندری
شاہا تیرے طرزِ قلندری کا قلندروں میں مقام ہے

تیری چشمِ مست کو دیکھ کر میں نماز سے ہوا بے خبر
نہ قیام ہے نہ رکوع ہے نہ سجود ہے نہ سلام ہے

سرِ عرش بھی یہ پکار ہے کہ یہ خواجہ بدر کا پیار ہے
کہ فقیر ہے یہ عزیز کا کہ نصؔیر کا یہ غلام ہے

غزل

ناز اتنا نہ کرو جاناں خدارا نہ کرو
ایسے لگتی ہے نظر زلف سنوارا نہ کرو

اپنی پلکوں کی نیاموں میں رکھو تیغِ نظر
بے محابا دلِ مخلوق دو پارا نہ کرو

مرے دل کی یہ ضعیفی تمہیں معلوم نہیں
میں تو مرجاؤں گا اک پل بھی کنارا نہ کرو

جو بھی ترکش میں ہیں وہ تیر چلا دو سارے
ستم و جور میں کچھ صرفہ ہمارا نہ کرو

جو بھی آ جائے پجاری وہ تمہارا ٹھہرے
یوں تو ہر شخص کو شیشے میں اتارا نہ کرو

خود ہی اپنائیں سبھی رنگ خدائی وہ نصؔیر
خود ہی کہہ دیں کہ خدا کہہ کے پکارا نہ کرو

غزل

مجھے وقفِ کوئے دلربا کر دیا
تونے کیا کر دیا تو نے کیا کر دیا

بدنما سے مجھے خوش نما کردیا
تونے کیا کر دیا تو نے کیا کر دیا

تو میری ذات پر چھا گیا برملا
کر دیا میری ہستی کو تو نے فنا

راہزن تھا مجھے راہنما کردیا
تونے کیا کر دیا تو نے کیا کر دیا

میرا پھولوں سے لبریز دامن کیا
اور مجھے خار سے تو نے گلشن کیا

میری سیاہ رات کو روزِ روشن کیا
تونے کیا کر دیا تو نے کیا کر دیا

روشنی روشنی روشنی
میرے سینے میں ہے ہر طرف روشنی

گندے بندے کو بندہ خدا کر دیا
تونے کیا کر دیا تو نے کیا کر دیا

تیری ترچھی نظر ہی مگن کر گئی
تیری زُلفِ دوتا سے لگن لگ گئی

تیری بانکی چھبن نے فنا کر دیا
تونے کیا کر دیا تو نے کیا کر دیا

تو نصیؔر اپنی قسمت پر سو ناز کر
ڈالی نظرِ کرم سے قلندر نظر

کہ لقا بخش کے ماہ لقا کر دیا
تو نے کیا کر دیا تو نے کیا کر دیا

غزل

نہ مے کی کچھ حقیقت ہے نہ میکش ہیں نہ میخانہ
نگاہِ مست ساقی سے ہوئی ہر چیز مستانہ

ابھی تو پردے سے چھن چھن کے چمکے نورِ جانانہ
خدا جانے کہ کیا ہو گا جو آئے بے حجابانہ

ہر میکش کو ساقی نے عجب مستی عطا کی ہے
کسی کی آنکھ مستانہ کسی کی چال شاہانہ

نقاب ان کا الٹنا تھا کہ مقتل ہوگیا برپا
وجد میں آگئے جام و سبو پیمانہ پیمانہ

مجھے اتنی تو فرصت دے کہ جی بھر کر تجھے دیکھوں
تو بیشک بعد میں صادر قتل کا حکم فرمانا

مسلسل پھیلتی جاتی ہے وسعت میرے داماں کی
تیری نظرِ کرم نے شوخ کر ڈالا ہے دیوانہ

سرہانے ایک مرقد کے کوئے جاناں میں لکھا تھا
نصیؔر بے نوا کمتر گدائے کوئے جانانہ (33)

حضرت میاں محمد مسعود احمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۹۲۵ء..... ۱۳ جنوری ۲۰۰۶ء)

26 نومبر 2010ء کو میاں صاحب کا سالانہ عرس مبارک تھا۔ میاں صاحب کو اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوئے 5 برس بیت گئے ہیں۔ میاں صاحب کی ولادت 1925ء کو کلکتہ میں ہوئی تھی اور انہوں نے 13 جنوری 2006ء (بمطابق 14 ذوالحجہ 1427ھ) بروز ہفتہ بعداز نماز ظہر وصال فرمایا تھا۔ ان کے بیٹے ہر عیدالاضحیٰ کو جمعہ کے روز باقاعدگی سے یہ عرس منا رہے ہیں۔ میاں صاحب سے میرا رابطہ قریباً 20 سال رہا۔ اُن سے رابطہ کے وقت میری عمر قریباً 23 سال تھی۔ میاں صاحب بہت نفیس طبع بزرگ تھے۔ وہ فرید العصر میاں علی محمد رحمۃ اللہ علیہ (بسی شریف والوں) سے بیعت تھے اور ان کے نہایت قریبی مریدین میں سے تھے۔ ہر وقت ذکر فکر میں مشغول رہتے تھے۔ درود شریف کثرت سے پڑھتے رہتے تھے۔ نہایت صاف ستھرا اور نفیس لباس پہنتے تھے۔ ان کی غذا بھی بہت نفیس ہوتی تھی۔ اعلیٰ کوالٹی کا عطر استعمال کرتے تھے۔ ان کے پاس بیٹھنے والا ذہنی وقلبی اطمینان اور صفائے باطن محسوس کرتا تھا اور جب اٹھ کر جاتا تھا تو روحانی ذوق کے ساتھ ساتھ عطر کی وہ مخصوص خوشبو بھی ساتھ لے جاتا تھا جو میاں صاحب کے قریب بیٹھنے کی بدولت اس کے لباس میں رچ بس چکی ہوتی تھی۔

اچھے اور برے لوگوں کی صحبت و ہمنشینی کے مفید و مضر اثرات ضرور مرتب ہوتے ہیں۔ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

عَنْ أَبِي مُوْسَى رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: مَثَلُ الْجَلِيْسِ الصَّالِحِ مَثَلُ الْعَطَّارِ إِنْ لَمْ يُصِبْكَ مِنْهُ أَصَابَكَ رِيْحُهُ، وَمَثَلُ الْجَلِيْسِ السُّوْءِ مَثَلُ الْقَيْنِ إِنْ لَمْ يُحرِقْكَ بِشَرَرِهِ عَلَقَ بِكَ مِنْ رِيْحِهِ۔ رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْبَزَّارُ وَأَحْمَدُ۔ وَقَالَ الْحَاكِمُ: هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحُ الإِسْنَادِ۔

''حضرت ابوموسیٰ (اشعریؓ) سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھے ساتھی کی مثال عطار کی سی ہے اس سے اگر تمہیں اور کچھ بھی نہ ملے تو اس کی (اچھی) خوشبو تو پہنچ ہی جائے گی، اور برے ساتھی کی مثال لوہار کی سی ہے اگر اس (کی بھٹی کے) شعلے تجھے نہ بھی جلائیں تو اس کی (بھٹی کی) بدبو تو تمہیں ضرور پہنچے گی۔''(34)

تُصَاحِبْ إِلَّا مُؤْمِنًا، وَلَا يَأْكُلْ طَعَامَكَ إِلَّا تَقِيٌّ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ۔ وَقَالَ أَبُوْعِيْسَى: هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔

''حضرت ابوسعد (خدریؓ) سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (سچے) مومنوں کی صحبت ہی اختیار کرو اور تمہارا کھانا صرف پرہیزگار (دوست) ہی کھائے۔''(35)

گِلے خوشبوئے در حمام روزے رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مُشکی یا عبیری کہ از بوے دلآویز تو مستم
بگفتا من گِلے ناچیز بودم ولیکن مدتے با گُل نشستم
جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد وگرنہ من ہماں خاکم ہستم (36)

ترجمہ: ایک دن حمام کی خوشبو دار مٹی مجھے محبوب کے ہاتھ سے ملی۔ میں نے اسے کہا کہ تو مشک ہے یا عنبر کہ تیری دلآویز خوشبو سے میں مست ہوا جا رہا ہوں۔ وہ کہنے لگی کہ میں تو ایک ناچیز مٹی ہی ہوں۔ لیکن صرف یہ بات ہے کہ ایک مدت پھول کی صحبت میں رہی۔ چنانچہ اس ہمنشیں کا جمال مجھ میں اثر کر گیا۔ ورنہ میں وہی مٹی ہوں۔ اور ؎

گُر بن سمجھ نہ آوندی ایہہ الٹ پلٹ کی کھیل بھیکا گُر توں داریا، جس تیلوں کیا پھُلیل

میاں صاحب سے میری نہایت محبت اور عقیدت کی وجہ ان کی اولیاء اللہ سے خصوصاً داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ، بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اور مرشدِ کامل میاں علی محمد رحمۃ اللہ علیہ سے شدید محبت تھی۔ اکثر ان حضرات کا ذکر فرماتے رہتے تھے اور میں شوق سے سنتا رہتا تھا۔ وہ سناتے نہ تھکتے تھے اور میں سنتے نہ تھکتا تھا۔ میاں صاحب بڑے دھیمے لہجے سے بات کرتے تھے۔ اگر مجھے کوئی بات سمجھ نہ آتی تو میں تکرار کرتا رہتا تھا اور وہ نہایت تحمل اور پیار سے مجھے سمجھاتے رہتے تھے۔ بعض اوقات تبادلہ خیال یا بحث کا یہ سلسلہ گھنٹوں پر محیط ہو جاتا تھا۔ مگر میاں صاحب سمجھا کے ہی دم لیتے تھے۔ ان کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ اگر ان کے پاس کوئی مہمان آتا تو تمام کام موقوف کر دیتے تھے۔ موسم اور موقع محل کے مطابق کھانے، چائے یا کسی مشروب سے اس کی تواضع کرتے تھے۔ مجھے یاد نہیں کہ اتنے طویل عرصہ کے دوران جتنی بھی ملاقاتیں ہوئیں کبھی ان کی مہمان نوازی، توجہ، التفات میں کبھی کوئی کمی محسوس ہوئی ہو۔ تواضع کا یہ حال تھا کہ گھنٹوں حاضر رہتا لیکن وہ کبھی بھی یہ نہیں کہتے تھے کہ اب جاؤ پھر کبھی آنا یا مجھے کسی کام کے لیے جانا ہے پھر ملیں گے۔ انہوں نے میری شخصی تعمیر اور روحانی تربیت میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ مثلاً ایک بار مجھے رجعت ہوئی، تمام وظائف چھوٹ گئے۔ نمازیں بھی قضا ہونے لگیں۔ میں میاں صاحب کے پاس حاضر ہوا اور اپنی کیفیت کا ذکر کیا۔ فرمانے لگے بازار سے ایک کتاب لے آؤ۔ یہ درود شریف کی کتاب دلائل الخیرات تھی۔ میں ان کے حسبِ ارشاد چلا گیا اور بھوانہ بازار میں غزالی بک ڈپو سے وہ کتاب لے آیا۔ میاں صاحب نے اس کتاب میں ساتوں ایّام کی منازل کی نشاندہی کی اور مجھے تلقین کی کہ میں روزانہ ایک منزل پڑھ لیا کروں۔ میں یہ دیکھ کر پریشان ہو گیا اور کہا میاں صاحب آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ وظائف تو پہلے ہی چھوٹ چکے ہیں۔ نمازیں بھی قضاء ہو رہی ہیں۔ الٹا آپ نے مجھے درود شریف پڑھنے کا لمبا چوڑا پروگرام بتا دیا ہے۔ یہ کیسا روحانی علاج ہے؟ مسکرا کر فرمانے لگے، پڑھو تو سہی تمام کام آسان ہو جائیں گے۔ اسے پڑھنا مشکل نہیں۔ روزانہ کی منزل بیس منٹ میں پڑھی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے پڑھنے کی توفیق بھی عطا ہو جائے گی۔ میں مجموعہ وظائف دلائل الخیرات گھر لے آیا اور الماری میں رکھ دیا۔ ایک دن خیال آیا کہ میاں صاحب کے حسبِ ارشاد پڑھ کر دیکھ لوں، کیا حرج ہے۔ وضو کیا اور اس روز کی منزل پڑھ لی۔ اگلے روز بھی اس روز کی منزل پڑھی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے چند دنوں میں رجعت جاتی رہی۔ نماز قائم ہو گئی۔ ذکر وفکر کا سلسلہ بحال ہو گیا اور میرے دیگر معاملات بھی اس قدر تیزی سے درست ہونے لگے کہ میں حیران رہ گیا۔ انہی دنوں میرے مرشد حضرت خواجہ غلام نصیر الدین مدظلہ العالی بھی زیادہ التفات فرمانے لگے اور مجھے اپنے پاس بلا کر فرمایا کہ تمہاری فائل پر از سرِ نو نظر ثانی کا حکم آیا ہے۔ زیادہ حاضری دیا کرو۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ میں اپنے پیر و مرشد کے پاس حاضر ہوں اور وہ میری دستار بندی فرما رہے ہیں۔ چند ایک دیگر حضرات کی بھی دستار بندی ہوئی۔ انہیں جوگیا رنگ کی دستار باندھی گئی جبکہ مجھے سیاہ رنگ کی۔ میں نے اپنے پیر و مرشد سے یا کسی پیر بھائی سے اس خواب کا ذکر نہ کیا۔ میاں صاحب کو یہ خواب سنایا تو خوش ہوئے۔ فرمانے لگے روحانی دنیا میں تمہاری دستار بندی ہو چکی ہے۔ باطنی طور پر تم خلیفہ مقرر ہو چکے ہو۔ جب اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ظاہری رسم بھی پوری ہو جائے گی۔ ان ایّام میں، میں نے ایک خاص تبدیلی دیکھی۔ میں جدھر بھی جاتا لوگ پہلے سے بھی زیادہ احترام سے پیش آتے اور بعض تو برملا حضرت یا پیر کہہ کر مخاطب کرنے لگے۔ یہاں اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ سالک درحقیقت دنیاوی عزت و شہرت کا طلبگار ہرگز نہیں ہوتا اور نہ ہی خلافت کا۔ خلافت اُسے ہی ملتی ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی ہو۔ اِس کی دربارِ رسالت سے منظوری ہوتی ہے اور بعد میں ظاہری اسباب فراہم ہوتے ہیں۔ میرا کبھی بھی یہ مطمع نظر نہیں رہا کہ مجھے خلافت ملے یا لوگوں میں تکریم پاؤں۔ میں ہمیشہ طالبِ حق رہا ہوں اور بفضلِ تعالیٰ طالبِ حق ہوں۔ یہ ذاتی تجربات اور مشاہدات بیان کرنے کا مقصد محض شکرانِ نعمت ہے اور طالبانِ حق کی تعلیم وتربیت کے لیے اہم امور کا ذکر کرنا مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت زماں اور مکاں کے پابند نہیں۔ یہ فضل وکرم اور رحمت کسی پر بھی ہو سکتے ہیں۔ بندہ عاجز جن امور کا ذکر کر رہا ہے وہ اس کے علم ویقین کے مطابق عین درست ہیں اور محض ذات باری تعالیٰ کے فضل وکرم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت سے ہیں۔ جو مجھے حاصل ہوا وہ ہر کسی کو حاصل ہو سکتا ہے۔ مجھے کسی طرح کی کوئی فوقیت یا برتری حاصل نہیں۔ میرا حق پرستی کا جذبہ مجھے مجبور کر رہا ہے کہ میں سلسلہ اولیاء کی حقانیت بیان کرنے کے

بارے میں کتابی باتوں اور حکایات کا سہارا لینے کے بجائے ذاتی تجربات ومشاہدات بیان کروں تا کہ اہلِ حق کے ایمان وایقان میں اضافہ ہو اور وہ خود اس راہ پر خلوص دل سے چل کر دیکھ لیں۔ دامانِ مصطفٰے تھام کر دیکھیں رحمتِ حق کو منتظر پائیں گے۔

بہر حال میں دوبارہ خلافت والی بات کی طرف آتا ہوں۔ چند ماہ بعد سالانہ عرس مبارک کے موقع پر میرے پیر و مرشد نے فرمایا مجھے باطنی طور پر حکم ہوا ہے، میں آپ کو خلافت دینے کا اعلان کرتا ہوں۔

میرے نزدیک خلافت سے مراد یہ ہے کہ اب آپ مخلوقِ خدا کی خدمت کر سکتے ہیں اور انہیں اولیاء اللہ کے فیض سے مستفید کر سکتے ہیں۔ خلیفہ نامزد ہونے سے مراد خادمِ خلق مقرر ہونا ہے۔ زندگی کا اصل مقصد یہی تو ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ سے اپنا تعلق مضبوط بنائیں اور اپنے مسلمان بھائیوں اور بہنوں کی خدمت سرانجام دیں اور ان کا بھی یہ روحانی رشتہ مضبوط بنائیں۔ اگر چہ یہ حقیقت ہے کہ آجکل تصوف کے نام پر بازاری پیر فقیر اپنی دکانداریاں چمکا رہے ہیں اور دنیاوی آسودگی حاصل کر رہے ہیں مگر یہ بات بھی حقیقت ہے کہ ایسے جعلی پیروں اور فقیروں کی بدولت حقیقی اسلامی تصوف اور صوفیا کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ کیا جعلی فوجیوں یا عطائی ڈاکٹروں و حکیموں کے بہانہ سے تمام فوجیوں، ڈاکٹروں اور حکیموں کی حقانیت کو جھٹلا دیا جائے گا۔ انکار اور ردتو جعلسازوں اور دھوکا بازوں کا ہوگا نہ کہ مخلص افراد کا۔

خلافت عطا ہونے کے بعد میں نے باقاعدہ طور پر خدمتِ خلق کا فریضہ سرانجام دینا شروع کر دیا۔ یہاں اس سلسلہ میں تفصیلات بیان نہیں کروں گا کیونکہ آج میں خصوصاً میاں صاحب کے بارے میں کچھ یادداشتیں تحریر کرنا چاہتا ہوں اس لیے دوبارہ اصل موضوع کی طرف آتا ہوں۔

میاں صاحب نے مجھے دلائل الخیرات (درود شریف) کی اجازت عنایت فرمائی تھی جس کے فیضان کی بدولت ہی مجھے روحانی ترقی حاصل ہوئی جس کا میں ذکر کر چکا ہوں۔

درود شریف کی بدولت مجھے بہت سے دینی، دنیوی، روحانی فوائد حاصل ہوئے۔ اس کی بدولت بڑی سے بڑی مشکل اور پریشانی دور ہوئی۔

ایک بار میں درود شریف پڑھ رہا تھا تو حالتِ بیداری میں ہی دیکھا کہ میرے اردگرد محفل لگی ہوئی ہے۔ بہت سے فرشتے درود شریف پڑھ رہے ہیں۔ کسی کی آواز آتی ہے یہ شخص درود شریف پڑھ رہا ہے اور اس کے مدارج بلند ہوتے جا رہے ہیں۔

میں بے گھر تھا۔ کرائے کے مکان میں رہتا تھا۔ اس درود شریف کی بدولت مجھے نہایت قیمتی اور کشادہ گھر نصیب ہوا درود شریف کی بدولت گھر کا ملنا بھی بہت ایمان افروز سلسلہ واقعات ہے جس کا آئندہ کہیں ذکر ہوگا۔

میاں صاحب کے ارشاد کے مطابق جب میں دلائل الخیرات لینے کے لیے غزالی بک ڈپو، بھوانہ بازار، فیصل آباد پہنچا تو اس کے پروپرائیٹر رانا اشفاق کے بھائی حاجی ضیاء ذکر کر رہے تھے کہ وہ کسی سے پرائمری کلاسز کے سٹوڈنٹس کے لیے گائیڈ بکس لکھوانا چاہتے ہیں۔ میں نے اس سلسلہ میں ان سے کچھ تبادلہ خیال کیا اور پھر انہیں پیش کش کی کہ میں انہیں یہ گائیڈ بکس لکھ دیتا ہوں۔ انہوں نے مجھے بطور نمونہ لکھنے کے لیے کچھ کام دیا۔ میں نے انہیں وہ نوٹس تحریر کر دیئے۔ انہوں نے ماہر اساتذہ کو وہ نوٹس برائے جائزہ دیے۔ اساتذہ نے وہ نوٹس پسند کئے۔ تب سے بکس لکھنے کا ایسا سلسلہ جاری ہوا جو کہ اب بھی جاری ہے۔ الحمدللہ اس درود شریف کی برکت سے میری تحریر کردہ بکس کو اساتذہ وسٹوڈنٹس میں پذیرائی حاصل ہوئی اور میں غزالی بک ڈپو، خالد بک ڈپو، ہمدرد کتب خانہ، بابر بک ڈپو، پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ کے لیے کتب، گائیڈز، نوٹس تحریر کرتا رہا جن کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ چکی ہے۔ اس طرح علم میں اضافہ کے ساتھ ساتھ مالی حالت بھی کافی بہتر ہوگئی اور یہ سلسلہ فیض وکرم جاری ہے اور ان شاء اللہ جاری رہے گا۔

درود شریف حضور نبی کریم ﷺ سے نسبت اور تعلق مضبوط بنانے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس کی بدولت آپ ﷺ سے رابطہ قائم ہو جاتا ہے اور یہ رابطہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ حق تک رسائی کا یہ آسان ترین ذریعہ ہے اور اس کی بدولت ہر نعمت حاصل ہو جاتی ہے۔

؎ کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں (37)

میاں صاحب نے مجھے دلائل الخیرات کی تعلیم دی تھی اور خصوصی اجازت عنایت فرمائی تھی۔ آپ درود شریف پڑھنے اور دلائل الخیرات کی اجازت دینے کے سلسلہ میں نہایت احتیاط فرماتے تھے۔ بڑا گوشت، لہسن، پیاز، مولی وغیرہ کھانے سے منع فرماتے تھے۔ چل

پھر کر درود شریف پڑھنے سے منع فرماتے تھے۔فرمایا کرتے تھے جاء نماز پر بیٹھ کر نہایت ادب،توجہ اور یکسوئی سے درود شریف پڑھا کریں۔

چند سال بعد مجھے میاں صاحب سے بھی خلافت واجازت حاصل ہوگئی۔میری ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ اگر مجھے کوئی اچھی بات معلوم ہو،اچھی کتاب ملے،فیض حاصل ہو تو اسے دوسروں تک پہنچاؤں۔میں نے میاں صاحب کی حیات میں ہی دو تین افراد کو دلائل الخیرات پڑھنے کی تعلیم اور اجازت دے دی۔میاں صاحب کو علم ہوا تو قدرے خفا ہوئے۔فرمایا میں نے اپنی زندگی میں سوائے تمہارے اس کی کسی کو اجازت نہیں دی۔کئی برس بعد تمہیں اجازت ملی۔تم نے بڑی عجلت میں ان افراد کو اجازت دے دی ہے۔ان افراد کو میرے پاس لے کر آئیں تاکہ میں خود ان کا جائزہ لوں۔مناسب ہوا تو اجازت بحال رکھوں گا نہیں تو منع کر دوں گا۔میں ان افراد (محمد نعیم،غلام صمدانی) کو میاں صاحب کی خدمت میں لے گیا۔آپ نے ان کا جائزہ لینے کے بعد ان کی اجازت بحال رکھی اور مجھے تلقین کی آئندہ اس قدر جلد اجازت نہ دو اور آئندہ بھی باادب،متقی،طہارت پسند افراد کو ہی اجازت دو۔اس واقعہ کو قریباً دس برس بیت گئے ہیں۔اس کے بعد اب تک میں نے صرف تین افراد کو ہی میاں صاحب کی طرف سے دلائل الخیرات پڑھنے کی اجازت دی ہے۔

میاں صاحب وظائف کی نہایت پابندی فرماتے تھے۔کسی بھی حالت میں اور کسی بھی موقع پر وظائف کا ناغہ نہیں فرماتے تھے۔تہجد کے وقت بیدار ہوتے تھے اور قریباً 11/12 بجے دوپہر کے قریب تک بند کمرے میں وظائف پڑھا کرتے تھے۔

ایک بار میاں صاحب بیمار ہوئے تو انہیں نیشنل ہسپتال فیصل آباد میں داخل کرایا گیا۔میں مزاج پرسی کے لیے حاضر ہوا تو مجھے فرمانے لگے،جب تک میں معذور ہوں،تم میری جگہ پر تمام وظائف پڑھو۔میں نے عرض کیا میاں صاحب اس قدر زیادہ وظائف میں کیسے پڑھ سکوں گا۔فرمانے لگے چلو دلائل الخیرات ہی میری جگہ پر پڑھتے رہو۔چند روز بعد تندرست ہونے پر انہوں نے ان تمام وظائف کی قضا دی تھی۔

میاں صاب اخفائے حال کے بہت زیادہ قائل تھے۔کشف ومشاہدات ظاہر نہیں فرماتے تھے۔ذکر وفکر بھی تخلیہ میں کیا کرتے تھے۔کسی سے ذکر تک بھی نہیں کرتے تھے کہ وہ کس قدر ذکر وفکر اور ریاضت ومجاہدہ کرتے ہیں۔آپ لوگوں کو بیعت بھی نہیں فرماتے تھے۔کئی سال تک تو میں تنہا ہی حاضر ہوتا رہا۔بعد میں،میں نے بہ اصرار ان سے بیعت کی اور چند دوستوں کو بھی بیعت کرا دیا۔مجھے کئی سال کے رابطہ کی وجہ سے ان کی ریاضت ومجاہدہ کا کچھ اندازہ تو تھا،مگر یہ علم نہیں تھا کہ آپ کون کون سے اوراد ووظائف پڑھتے ہیں۔مجھے شوق تھا کہ میاں صاحب کی پیروی کروں اور حتی المقدور حد تک اتباع کروں۔میاں صاحب سے اس سلسلہ میں پوچھتا رہا۔انہوں نے محض میری تعلیم اور تحریک کے لیے ایک دن ان تفصیلات سے آگاہ فرمایا جو کہ حیران کن تھیں۔میاں صاحب روزانہ دلائل الخیرات مکمل پڑھتے تھے۔دس ہزار بار کلمہ طیبہ پڑھتے تھے۔تلاوت قرآن مجید کے لیے وقت الگ مخصوص تھا۔اس کے علاوہ بھی بہت سے متفرق اوراد ووظائف تھے۔

میاں صاحب سے نسبت رکھنے والے تنگ دست نہیں رہتے تھے۔ان کی اولاد بھی بہت خوشحال ہے۔کسی کی تنگدستی کا سننے میں نہیں آیا۔ان کے فرزندان میں ذکر وفکر اور ریاضت ومجاہدہ کا وہ رنگ نظر نہیں آتا۔تاہم سب کے سب میاں صاحب سے محبت اور عقیدت رکھتے ہیں۔میں نے بزرگانِ دین کی اولاد میں سے کم کو ہی اپنے پدر سے اس قدر نسبت اور لگاؤ رکھتے دیکھا ہے۔میاں صاحب سے نسبت کا ہی نتیجہ ہے کہ سب صاحبزادگان عشق رسول ﷺ کے جذبہ سے سرشار ہیں اور روحانی محافل میں ان کی یہ عقیدت اور وارفتگی قابلِ دید ہوتی ہے۔سب کے سب نیک اور پرہیزگار ہیں،رزق حلال کماتے ہیں اور حتی المقدور مخلوق خدا کی خدمت کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔

میاں صاحب کا آخری وقت قریب آیا تو بوقت ملاقات مجھ سے ارشاد فرمایا ''انجم صاحب آپ اب تک کتنی درسی وتعلیمی کتابیں لکھ چکے ہیں؟'' میں نے عرض کیا،''جناب! کی دعاؤں کی بدولت قریباً پانچ سو کے قریب انگریزی،کمپیوٹر سائنس،اردو کے مضامین سے متعلقہ اردو میڈیم،انگلش میڈیم سٹوڈنٹس کے لیے انشائیہ ومعروضی بکس،گائیڈ بکس،خلاصے،گرامر بکس تحریر کر چکا ہوں۔'' بہت خوش ہوئے اور فرمایا،اب ہماری بھی ایک کتاب لکھ دیں۔'' یہ کہہ کر آپ اپنے حجرہ مبارک سے ایک قلمی نسخہ لے آئے۔اس میں انہوں نے اولیاء اللہ کے ملفوظات بقلم خود نہایت خوشخطی سے تحریر فرمائے تھے۔نوٹ بک کا کاغذ بھی نہایت نفیس تھا۔میں نے حسبِ ارشاد اس کی کمپیوزنگ کرائی اور پروف ریڈنگ شروع کر دی۔میاں صاحب کی ہدایت کے بموجب زرعی یونیورسٹی فیصل آباد کے شعبہ اسلامیات کے صدر پروفیسر اقبال

سے اس پر نظرِ ثانی بھی کرائی۔افسوس کہ میاں صاحب اس کی تکمیل کے حتمی مراحل کے دوران ہی اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔

بندہ عاجز کو میاں صاحب کی سرپرستی میں فرید العصر میاں علی محمد رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کی تدوینِ نو کا فریضہ سرانجام دینے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ یہ سب مسودات تیار پڑے ہیں مگر وسائل کی دشواریوں کی وجہ سے ان کی طباعت کا کام التواء کا شکار ہے۔میاں صاحب سے بندہ عاجز کے روحانی تعلق اور معاملات کی تفصیل آئندہ اوراق میں موقع کی مناسبت سے بیان کروں گا۔جب کبھی کوئی پریشانی ہوتی تو بندہ بحالتِ بیداری یا بحالتِ خواب ملاقات سے مشرف ہوتا اور عقدہ کشائی پاتا تھا۔ یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔وصال کے بعد میاں صاحب ایک بار خواب میں تشریف لائے۔خواب کیا تھا بیداری کی حالت تھی۔ملاقات ہوئی کافی باتیں ہوئی۔ میں نے عرض کیا،میاں صاحب آپ تو زندہ ہیں لوگ سمجھتے ہیں کہ آپ پردہ فرما چکے ہیں۔فرمانے لگے انہیں اس زندگی کی خبر نہیں۔ یہ تو سرکار کا کرم ہے۔آج میں اپنی شخصیت میں آنے والی تبدیلیاں دیکھتا ہوں تو میاں صاحب کی بہت یاد آتی ہے۔ یہ ان کی بابرکت صحبت کا ہی نتیجہ ہے کہ آج بندہ عاجز، گنہگار کو خلوت میں ذکر وفکر کی دولت نصیب ہے۔مہمانوں کی خدمت سرانجام دے کر روحانی مسرت نصیب ہوتی ہے اور مخلوقِ خدا کی خدمت کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔میں ان نوازشات کے لیے اللہ تعالیٰ کا اور رسولِ پاک ﷺ کا بہت شکر گزار رہوں ؎

کوئی سلیقہ ہے آرزو کا ،نہ بندگی میری بندگی ہے رہے سلامت تمہاری نسبت ،میرا تو بس اک آسرا یہی ہے

عمل کی میرے اساس کیا ہے،بجز ندامت کے پاس کیا ہے یہ سب تمہارا کرم ہے آقا کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے

(38)

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس حال میں جیو گے، اُس حال میں مرو گے اور قیامت کو اس حال میں اٹھائے جاؤ گے۔ اس حدیثِ نبوی ﷺ کے مطابق اگر انسان اپنا حال سنوار لے تو اس کا خاتمہ بھی ایمان پر ہوتا ہے اور اس کے بعد آخرت کی تمام منزلیں بھی آسانی سے اور احسن انداز سے طے ہو جاتی ہیں۔اگر انسان اطاعت الٰہی اور اطاعتِ نبوی ﷺ بجالاتا رہے تو اسی حالت میں اور اسی راہِ حق پر چلتے ہوئے اسے موت نصیب ہوتی ہے۔ وہ عالمِ برزخ میں بھی عبادت میں مصروف رہتا ہے اور روزِ حشر ذکرِ الٰہی کرتا ہوا، اٹھے گا اور بارگاہِ حق میں پیش ہوگا۔

حدیث پاک میں ہے کہ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللّٰہ عنھما قَالَ : ضَرَبَ بَعْضُ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ خِبَاءَهُ عَلَى قَبْرٍ وَهُوَ لَا يَحْسِبُ أَنَّهُ قَبْرٌ، فَإِذَا فِيهِ إِنْسَانٌ يَقْرَأُ سُورَةَ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ حَتَّى خَتَمَهَا، فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي ضَرَبْتُ خِبَائِي عَلَى قَبْرٍ وَأَنَا لَا أَحْسِبُ أَنَّهُ قَبْرٌ، فَإِذَا فِيهِ إِنْسَانٌ يَقْرَأُ سُورَةَ الْمُلْكِ حَتَّى خَتَمَهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: هِيَ الْمَانِعَةُ، هِيَ الْمُنْجِيَةُ تُنْجِيهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ۔ وَقَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ۔

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے کسی صحابی نے ایک قبر پر خیمہ لگایا۔انہیں معلوم نہ تھا کہ یہ قبر ہے، اچانک پتہ چلا کہ یہ قبر ہے اور اس کے اندر کوئی آدمی سورۃ الملک پڑھ رہا ہے۔ یہاں تک (اس صحابی نے سنا کہ) اس پڑھنے والے نے (قبر کے اندر) مکمل سورت الملک پڑھی۔(یہ سن کر) وہ صحابی حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے (نادانستہ) ایک قبر پر خیمہ لگایا اور مجھے یہ خیال نہیں تھا کہ یہ قبر ہے، اچانک سنا کہ ایک آدمی قبر میں سورۃ الملک پڑھ رہا ہے یہاں تک کہ (میں نے سنا) اس نے مکمل سورۃ الملک پڑھی۔حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ (سورۃ الملک عذابِ قبر کو) روکنے والی ہے اور عذابِ قبر سے نجات دینے والی ہے۔''(39)

کسی اہلِ حق کی زندگی کا حقیقی جائزہ اس کے حاصلِ زندگی سے لگایا جاسکتا ہے۔جن بزرگانِ دین سے مجھے حصولِ فیض کے مواقع میسر رہے میں قرآن وحدیث کے میزان پر ان کے معاملات کو پرکھتا رہا اور ان کے وقتِ وصال کا جائزہ بھی لیتا رہا۔الحمدللہ اہلِ حق کو موت

کے وقت کلمہ طیبہ نصیب ہوتا ہے۔ انہیں نزع کے وقت آسانی رہتی ہے۔ مرنے کے بعد بھی ذاتِ حق ان کی نیکیوں میں اضافہ کا سلسلہ جاری فرما دیتی ہے۔

میاں صاحب کے وصال سے چند سال قبل میں نے میاں صاحب کے بارے میں خواب دیکھا۔ میں پریشان ہو گیا اور انہیں خواب سنایا۔ میاں صاحب نے فرمایا، جو اللہ تعالیٰ کی رضا۔ مرضی مولا از ہمہ اولیٰ۔ الحمدللہ میاں صاحب اس کے بعد کئی سال زندہ رہے جہاں تک مجھے مراقبہ وکشف سے علم حاصل ہُوا، میاں صاحب کی عمر میں اضافہ کر دیا گیا کیونکہ وہ ابھی کچھ مصالح کی بنا پر اس دارِ فانی سے کوچ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی عمر بڑھا دیتا ہے اور جب وہ ذہنی طور پر آمادہ ہوں تب انہیں وصال کے لمحوں سے گزارا جاتا ہے۔

وفات سے ایک روز قبل اماں جی (میاں صاحب کی زوجہ محترمہ) کو خواب آیا کہ ایک گاڑی ان کے دروازے پر آ کر رکی ہے۔ اس میں ڈرائیور کے علاوہ باوردی گارڈ ہے۔ گارڈ انہیں کہتا ہے ہم حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے آئے ہیں اور آپ کو لینے آئے ہیں۔ وہ گاڑی پر سوار ہونے لگتی ہیں تو میاں صاحب انہیں روک لیتے ہیں اور کہتے ہیں تم یہیں رکو، میں جاتا ہوں۔ میاں صاحب گاڑی پر سوار ہو گئے اور چلے گئے۔

اگلے دن میاں صاحب کی طبیعت خراب ہو گئی۔ ان کے تمام بیٹے اکٹھے ہو گئے اور ہسپتال لے جانے لگے۔ میاں صاحب منع کرتے رہے مگر ان کے اصرار پر ہسپتال تشریف لے گئے۔ وہاں کہہ کر بیڈ پر صاف ستھری چادر بچھوائی۔ لیٹ گئے۔ ایک دو گہرے سانس لیے اور اللہ کو پیارے ہو گئے۔

میاں صاحب کے جنازہ میں مخلوق خدا کا جم غفیر شامل ہُوا۔ آپ کو قریبی قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔ بعداز وصال بھی ان کا اور خوشبو کا سفر ساتھ ساتھ جاری رہا۔ ان کی تربت پر کسی بھی وقت چلے جائیں تازہ گلاب کے پھولوں کی مہک استقبال کرتی ہے اور حاضرین کے قلوب اور زبانوں پر درود شریف جاری ہو جاتا ہے۔ ھذا من فضل ربی ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ (40)

میاں صاحب کی طرف سے تلقینِ حق کا سلسلہ ان کے بعداز وصال بھی جاری رہا۔ میاں صاحب کے وصال کے بعد میں نے ان کے تلقین کردہ اوراد و وظائف اور درود شریف کے ورد کی مزید سختی سے پابندی کر دی۔ چند ماہ بعد کسی مصروفیت کی وجہ سے چند روز دلائل الخیرات نہ پڑھ سکا۔ میاں صاحب خواب میں اپنے بیٹے صاحبزادہ اعجاز صاحب سے ملے انہیں فرمایا، انجم صاحب سے کہنا چند روز سے آپ کی طرف سے تحفہ وصول نہیں ہو رہا۔ انہیں یہ بھی کہنا کہ "" کا ورد بھی کیا کریں۔ اعجاز صاحب کے علم میں نہیں تھا کہ یہ ورد دلائل الخیرات میں سے ہے۔ میاں صاحب نے اس ورد کے حوالہ سے اپنے روحانی رابطہ کی خود ہی تصدیق فرما دی تھی کیونکہ ذاتِ باری تعالیٰ کے بعد میاں صاحب اور میرے علاوہ کوئی بھی اس بات سے آگاہ نہیں تھا کہ میاں صاحب کی طرف سے مجھے دلائل الخیرات کی اجازت ہے اور یہ وظیفہ اس میں سے ہے۔ بے شک انسان کے دنیا سے چلے جانے کے بعد صدقہ جاریہ کی صورت میں اس کی نیکیوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس سلسلہ میں ارشادِ نبوی ﷺ ملاحظہ کرنے کا شرف حاصل کیجیے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضؓ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : إِذَا مَاتَ الإِنْسَانُ انْقُطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ : إِلَّامِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ۔ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ۔ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْ لَهُ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَالْبُخَارِيُّ فِي الْأَدَبِ وَأَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه۔

''حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب انسان مر جاتا ہے تو اُس کے اعمال کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے سوائے تین چیزوں کے (ان کا اجرا سے برابر ملتا رہتا ہے:) ایک وہ صدقہ جس کا نفع جاری رہے، دوسرا وہ علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے تیسری وہ نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔''(41)

نوٹ:۔ میاں صاحب کی ایک بہن تھی۔ ان کے چھ (6) بیٹے اور چار (4) بیٹیاں ہیں۔ بیٹوں کے نام بلحاظ عمر بالترتیب یہ ہیں 1۔ شیخ منصور احمد 2۔ شیخ اعجاز احمد 3۔ شیخ محمود مسعود 4۔ شیخ محبوب مسعود 5۔ شیخ غلام فرید 6۔ شیخ ندیم مسعود ضیا۔

فقیرِ اہلِ سنت، گوہر عبدالغفار چشتی صابری رحمۃ اللہ علیہ

(۲۸ مارچ ۱۹۵۱ء ..... ۴ فروری ۲۰۱۶ء)

سرگوہر عبدالغفار چک نمبر 476 گ ب، بزرگوال، ضلع فیصل آباد سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد کا نام دین محمد اور والدہ کا نام حیات بی بی ہے۔ آپ کی ولادت اٹھائیس مارچ انیس صد اکیاون (28.3.1951) کو چک نمبر 213 گ ب میں ہوئی جو کہ آپ کے ننھیال کا آبائی گاؤں ہے۔ آپ کا ایک بھائی اور چار بہنیں ہیں۔

آپ نے 1966ء میں ڈی سی ہائی سکول (گورنمنٹ ہائی سکول) 476 گ ب سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ 1968ء میں گورنمنٹ کالج گوجرہ سے انٹر کا امتحان پاس کیا۔ گیارہ فروری انیس صد ستر (11.2.1970) کو آپ کے والد وفات پا گئے۔ نامساعد حالات کی وجہ سے باقاعدہ سلسلہ تعلیم جاری نہ رہا۔ آپ نے 71-1970ء میں گورنمنٹ نارمل سکول کمالیہ سے ایس وی کا کورس کیا اور گورنمنٹ پرائمری سکول نمبر 1 سمندری (شہر) میں بطور ٹیچر تعینات ہوئے۔ آپ نے 1972ء میں پنجاب یونیورسٹی سے بطور پرائیویٹ امیدوار بی اے کا امتحان پاس کیا۔ اسی طرح 1974ء میں اسی یونیورسٹی سے ایم اے اردو کا امتحان پاس کیا۔ 1976ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ہی فرسٹ ڈویژن میں بی ایڈ کا امتحان پاس کیا۔ 1976ء میں ہی مڈل سکول کوٹ بھائی خان تحصیل خوشاب میں ہیڈ ماسٹر لگ گئے۔ وہاں سے بطور ایس ایس ٹی گورنمنٹ ہائی سکول قائد آباد آ گئے۔ 1978ء میں گورنمنٹ ضیا شمس الاسلام ہائی سکول سیال شریف ضلع سرگودھا آ گئے۔ جنوری 1979ء کو گورنمنٹ اسلامیہ ہائی سکول بھاٹی گیٹ لاہور آ گئے۔ 1979ء میں ہی پنجاب یونیورسٹی میں ایم ایڈ کی ایوننگ کلاسز میں داخلہ لیا اور 1982ء کو ایم ایڈ کا امتحان پاس کیا۔ 1983ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے عربی کا امتحان پاس کیا۔ 1984ء میں حزب الاحناف میں مولانا مہر دین سے دورۂ حدیث مکمل کیا اور فاضل درس نظامی کی سند لی۔ 1985ء میں واپڈا ماڈل ہائی سکول شالیمار ٹاؤن لاہور میں بطور ہیڈ ماسٹر تعینات ہوئے۔ گیارہ ماہ بعد دوبارہ گورنمنٹ سروس شروع کر لی۔ اپریل 1987ء کو عربی کے سینئر سبجیکٹ سپیشلسٹ کے طور پر گورنمنٹ ہائی سیکنڈری سکول بھوانہ ضلع جھنگ میں مقرر ہوئے۔ یکم جولائی 1987ء کو بطور لیکچرر نیو گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن ملتان چلے گئے۔ 1993ء میں پنجاب پبلک سروس کمیشن کے تحت اسسٹنٹ پروفیسر آف ایجوکیشن کے لیے ہونے والے امتحان میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ 4 دسمبر 1994ء کو گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن میں بطور اسسٹنٹ پروفیسر جوائن کیا۔ 2002ء میں گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن یونیورسٹی آف ایجوکیشن لاہور کا کیمپس بن گیا۔ 2008ء کو آپ اسی یونیورسٹی کیمپس میں ترقی پا کر ایسوسی ایٹ پروفیسر ہو گئے۔ اپریل 2010ء کو بطور پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج فار بوائز، کھرڑیانوالہ میں تعینات ہوئے۔ 27 مارچ 2011ء کو سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہو گئے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد کچھ عرصہ آپ نے کیڈٹ کالج خوشاب میں بطور ہیڈ ماسٹر لوئر اینڈ سیکنڈری سکول خدمات سرانجام دیں۔

روحانی تعلیم وتربیت کے حصول کے لیے 1971ء میں آپ نے حافظ ارشاد حسین نقشبندی مراڑ ہوی کی بیعت کی اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ ان کے وصال کے بعد 1999ء میں سید محمد علی شاہ سجادہ نشین ٹھسکہ میراں جی وغوث پور شریف (انڈیا) حال مقیم 79-روڈ پینسرہ ضلع فیصل آباد کے بیعت ہوئے۔ انہوں نے تکمیلِ نسبت پر 2000ء میں آپ کو خلافت عطا کی۔ اسی سال سید محمد علی شاہ کا وصال ہوا۔

4/ اپریل 1975ء کو آپ کی شادی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو چار بیٹے اور تین بیٹیاں عطا فرمائیں۔ آپ کے تمام بیٹے اور بیٹیاں نیک اور سعادت مند ہیں۔

نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کا فرمانِ اقدس ہے کہ ''ماں کی گود سے لے کر قبر تک علم حاصل کرو''۔ فقیرِ اہلسنت حضرت قبلہ گوہر عبدالغفار چشتی صابری اس فرمانِ اقدس پر زندگی بھر عمل پیرا رہے ہیں۔ آپ تمام عمر علمی، ادبی، تدریسی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔

تصانیف:۔

1- تناظراتِ تعلیم (بی ایڈ/ایم ایڈ) 2- تعلیمیات (بی ایڈ/ایم ایڈ)
3- تعلیمی تحقیق (بی ایڈ/ایم ایڈ) 4- تعلیمی عمل (بی ایڈ/ایم ایڈ)
5- سکول انگلش (بی ایڈ) 6- جوہر روح البیان (خلاصہ تفسیر روح البیان)

آپ کی گراں قدر تعلیمی خدمات میں سے اہم ترین تعلیمی خدمت تفسیر روح البیان کا خلاصہ ہے۔ آپ نے نہایت محنت، احتیاط، توجہ اورمہارت سے دریا کو کوزے میں بند کیا ہے۔

سروری قادری سلسلہ میں حصولِ فیض کے لیے تصورِاسمِ ذات اور تصورِاسمِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ''دعوتِ قبور'' کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ ''دعوتِ قبور'' میں کسی بزرگ کی قبر کے قریب بیٹھ کر کلامِ ربانی (سورہ فاتحہ، سورہ یٰسین، سورہ مزمل) پڑھی جاتی ہے اوراس کا ثواب اس بزرگ کی روح کو ایصال کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اپنے کسی مسئلہ کے حل کے لیے یا روحانی فیض کے حصول کے لیے اس بزرگ سے رابطہ کیا جاتا ہے۔ یہ ''دعوتِ قبور'' مرشد کی اجازت سے عموماً رات کے وقت پڑھی جاتی ہے۔ بغیر اجازت کے ''دعوتِ قبور'' پڑھنے سے نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔ سروری قادری سلسلہ میں نہ صرف یہ کہ ارواحِ مقدسہ سے استمداد اور حصولِ فیض کو مستحسن تصور کیا جاتا ہے بلکہ دیگر سلاسل کے بزرگوں سے روابط اوران سے فیض حاصل کرنے کی بھی اجازت ہے۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ دیگر سلاسل میں اس ضمن میں کافی پابندیاں ہیں اور دیگر بزرگوں سے کسبِ فیض کو اچھا تصور نہیں کیا جاتا۔

۲۰۰۷ء میں سروری قادری سلسلہ میں خلافت ملنے کے بعد بندہ عاجز کو جب بھی حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ، بابا نور شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ، شاہ حسین رحمۃ اللہ علیہ، حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ حاضری کا موقع ملا تو وہاں مراقبہ کرنے پر فوراً رابطہ ہُوا اور رہنمائی ملی۔ ۲۰۰۶ء تا ۲۰۰۸ء کے دورانیہ میں ایم اے ایجوکیشن کی تعلیم کے دوران، یونیورسٹی آف ایجوکیشن کے فیصل آباد کیمپس میں پروفیسر گوہر عبدالغفار چشتی صابری سے تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا۔ ان کے ساتھ کبھی کبھار روحانیت کے موضوع پر گفتگو ہو جاتی تھی۔ ایک دن دورانِ مراقبہ شوق پیدا ہوا کہ میں چشتی صابری سلسلہ کا فیض حاصل کروں۔ مراقبہ میں سرکار میراں بھیک چشتی صابری رحمۃ اللہ علیہ سے رابطہ ہوا۔ انہوں نے مجھے مصلیٰ، تسبیح، کنگھی اور شیشہ عنایت فرمائے۔ انہوں نے فرمایا کہ گوہر عبدالغفار فقیرِ اہل سنت ہیں ان کے ذریعے آپ کو چشتی صابری سلسلے کا فیض ہوگا اور خلافت بھی ملے گی۔ بندہ عاجز نے اپنے استادِ محترم سے اس مشاہدہ کا ذکر کیا مگر خلافت کا ذکر نہ کیا۔ اس کے بعد مجھے مرشد کریم نے وسیلہ اور نگاہِ شفقت کی بدولت چشتی صابری سلسلہ کا فیض ہونے لگا۔ قریباً ایک سال بعد استادِ محترم سر گوہر عبدالغفار نے فرمایا کہ مجھے مشائخ کی طرف سے حکم ہوا ہے کہ آپ کو چشتی صابری سلسلہ کی خلافت عطا فرمائی جائے۔ اس لیے حکم کے مطابق آپ کو سلسلہ کی خلافت دی جاتی ہے۔

سر گوہر عبدالغفار کو ''فقیرِ اہلسنت'' قرار دیے جانے پر مجھے بہت حیرت تھی۔ وہ سادہ طبیعت کے مالک تھے۔ وہ منکسر المزاج تھے اور ہر ایک کی دلجوئی کی کوشش کرتے تھے۔ وہ بہت زیادہ نامور نہیں تھے۔ ان کا حلقۂ ارادت بھی بہت وسیع نہیں تھا۔ انہوں نے خود کبھی اپنے روحانی مرتبہ ومقام کا ذکر نہیں فرمایا تھا۔ انہیں خواب میں یا حالتِ بیداری میں نبی کریم ﷺ کی زیارت نصیب ہوتی تھی۔ وہ آپ ﷺ کی زیارت اور آپ کے پاس حاضری کا ذکر اس قدر مفصل انداز سے فرماتے تھے کہ سننے والا خود کو حاضرِ حضور پاتا تھا اور اسے حاضری کی کیفیات محسوس ہونے لگتی تھیں۔ آپ سچے عاشقِ رسول تھے۔ سرکار سے نسبت، تعلق اور عشق اس قدر تھا کہ سرکار ﷺ کا ذِکرِ خیر شروع ہوتے ہی آپ کا چہرہ جوشِ جذبات سے سرخ ہو جاتا اوران جذبات پر قابو پانے کے لیے گفتگو کا رُخ تبدیل کرنا پڑتا۔ آپ عجز وانکسار، ادب واحترام اور سادگی وعاجزی کا عملی پیکر تھے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ۴ فروری ۲۰۱۶ء کو بوقت ۶ بجے شام وفات پائی۔ آپ کی وفات سے قریباً دو ماہ قبل، آپ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے۔ ۲۹ نومبر ۲۰۱۵ء کو بندہ عاجز کے غریب خانہ، چشتیہ کالج، طارق آباد میں منعقدہ سالانہ محفلِ میلاد کے

موقع پر آپ نے فی البدیہہ ''مناجات'' کہی۔ پروفیسر طاہر صدیقی جو کہ علمِ عروض کے ماہر، نعت گو شاعر ہیں انہوں نے مناجات پڑھ کر کہا، علمِ عروض کے مطابق یہ مناجات عین درست ہے۔ انہوں نے اس کی بحر کا بھی ذکر کیا ہے۔ سرگوہر عبدالغفار، علمِ عروض سے آگاہ نہیں تھے۔ ان کا آمد کی کیفیت میں کہا گیا یہ کلام ان کی اعلی سوچ اور اعلیٰ روحانی مقام کا مظہر ہے۔

وفات سے چند روز قبل ان کا مجھے فون آیا۔ انہوں نے فرمایا، ''مجھے سرکار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہگار کو ''میرا گوہر'' کہہ کر خطاب فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''اللہ تعالی کو آپ کی یہ ادا بہت پسند آئی ہے کہ آپ کو لوحِ محفوظ پر بھی لکھی ہوئی اپنی مدتِ حیات بڑھانے کا اذن دیا گیا تو آپ نے عرض کیا کہ میں اللہ تعالی کا لکھا ہوا تبدیل نہیں کرنا چاہتا۔'' سرکار نے مجھ گناہگار پر بہت کرم فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں، ''قبر کی تیرگی سے کیوں گھبراتے ہو؟ وہاں روشنی ہوگی اور میں تمہارے استقبال کے لیے وہاں موجود ہوں گا۔''

اس کے بعد سرگوہر نے راقم الحروف سے فرمایا، ''اور بھی بہت سی باتیں ہیں۔ آپ فیصل آباد آئیں گے تو بات ہوگی۔'' چند روز بعد آپ وصال فرما گئے۔ وصال سے قبل آپ نے اپنے اہلِ خانہ کو وصال کی خبر دی۔ اپنی تجہیز و تکفین کے سلسلہ میں وصیت کی، غسل کیا، خط بنوایا۔ اپنے احباب کے ساتھ گفتگو کے دوران ہی اچانک چہرہ ایک طرف ڈھلک گیا اور یارسول اللہ پکارتے ہوئے جان، جان آفرین کے سپرد کر دی۔ آپ کے چہرے پر طمانیت اور مسکراہٹ تھی۔ آخری وقت آپ نے اپنے احباب کو ایک انگوٹھی دکھائی اور انہیں بتایا کہ ''یہ انگوٹھی مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عنایت فرمائی ہے۔ اسے تکفین کے وقت میرے سینے پر رکھ دیا جائے اور ساتھ ہی دفن کر دیا جائے۔'' ان کی وصیت کے مطابق وہ انگوٹھی آپ کے ساتھ ہی سپردِ خاک کر دی گئی۔ آپ کے آخری ایام کے واقعات سے آشکار ہوا کہ آپ کو دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نہایت قرب حاصل تھا۔ اسی لیے آپ کو فقیرِ اہلسنت کا لقب عطا ہوا تھا۔ اللہ تعالی آپ پر دائماً ابداً نزولِ رحمت فرمائے۔ (آمین)

نمونۂ کلام

نعت شریف (استغاثہ)

یہ غوغا ہے سپرد خاک کرنے کی شتابی ہے
نہ نیکی ہے نہ توبہ کا سہارا یارسول اللہ

قبر کی تیرگی وحشت کا منظر پیش کرتی ہے
بِنا تیرے نہیں بے کس کا چارا یا رسول اللہ

برے جن کو بتایا آپ نے یہ تو میرے ہیں
انہی کا یہ بھی ہے بندہ تمہارا یا رسول اللہ

سزاوارِ جہنم تھا مگر اکثر یہ دیکھا ہے
اسے بخشش ملی جس نے پکارا یا رسول اللہ

شفیع المذنبین ہیں آپ اور امت کے والی ہیں
بچالیں اپنے بندے کو خدارا یا رسول اللہ

دہائی سن کے اُس کی حضرت آدم نے فرمایا
یہ مجرم ، مجرم ہے تمہارا یارسول اللہ

نجاست اٹھ گئی سرکار اس ارضِ مقدس سے
زمین کا بوجھ تھا گوہر تمہارا یارسول اللہ

مناجات

میں پتلا جرم خطانواں دا میرے جیڈ کوئی اوگن ہار نہیں
دیویں معافیاں سوہنیا محبوبا تیرے جیڈ کوئی بخشن ہار نہیں
پھولیں نہ دفتر بدیاں دے دھکیں نہ در توں عاصی نو
تیرے در باہجوں کوئی در وی نہیں تیرے جیڈ کوئی سرکار نہیں
سر چائی پنڈ عذاباں دی جھولی خالی رہی ثواباں دی
رکھیں دُور حساب کتاباں توں تینوں کوئی وی پچھن ہار نہیں

جو کرنا سی اوہ ہویا نہیں نہ کرنا سی جو ہویا اے
ہُن عدلوں تھرتھر کنبدا ہاں بن فضلوں بیڑا پار نہیں
تیرے کرم دا کوئی انت نہیں میرے جرماں دی وی حد نہیں
مانواں توں ودھ کے پیار تیرا تیرے جیڈ کوئی دلدار نہیں
جد جاگے بھاگ غریباں دے پھر آئے دوار حبیباں دے
جتھے مجرم بخشے جاندے نے اوہدے جیڈ کوئی غم خوار نہیں
صدقہ محبوب یگانے دا رکھیں بھرم گوہر دیوانے دا
تیرے ہر قانون دا مانی ہاں قدرت دا وی انکار نہیں

تایا جی فریاد رحمۃ اللہ علیہ

اللہ تعالیٰ جب کسی کو اپنا قرب عطا فرمانا چاہتا ہے تو اسے کسی مصیبت، پریشانی، آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے۔ یہ آزمائش انسان کو ذاتِ باری تعالیٰ کی پناہ تلاش کرنے، اس پر توکل کرنے اور اس کے اسرار سے آگاہ ہونے کا سبب بن جاتی ہے۔ کچھ ایسا ہی 1981ء میں بندہ عاجز اور اس کے اہل خانہ کے ساتھ ہوا۔ بندہ عاجز کے والدِ محترم نے اپنی ہمشیرہ کے بیٹے کے ساتھ اپنی دختر کی شادی کر دی۔ تعلیم و تمدن کے لحاظ سے دونوں خاندانوں میں کافی فرق تھا۔ یہ رشتہ زیادہ دیر تک نبھ نہ سکا۔ والدِ محترم نے ان سے علیحدگی کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے اچھے طریقے سے علیحدگی اختیار کرنے کے بجائے لڑائی جھگڑے شروع کر دیے۔ مقدمہ بازی تک نوبت پہنچ گئی۔ مختصر سے عرصے میں ہی انہوں نے ہمارے خلاف قریباً پینتیس چالیس (35/40) بالکل جھوٹے، بے بنیاد دیوانی (Civil) وفوجداری (Criminal) مقدمات قائم کر دیے۔ ان کا جب جی چاہتا ہم پر حملہ آور ہوتے۔ کبھی گھر پر، کبھی بازار میں، کبھی کچہری میں جھگڑے کی کوئی نہ کوئی صورت بن جاتی اور نیا مقدمہ قائم ہو جاتا۔ بندہ عاجز کے والدِ محترم نیک فطرت اور متحمل مزاج انسان تھے۔ انہوں نے جارحانہ کے بجائے مدافعانہ حکمتِ عملی اختیار کی۔ انہوں نے دشمن کے خلاف کوئی جھوٹا مقدمہ دائر نہیں کیا اور نہ ہی ہمیں مسلح مدافعت کی تعلیم وترغیب دی۔ بس دیانتداری اور ہمت سے ان معاندانہ کارروائیوں کا جواب دیتے رہے۔ عدل وانصاف حاصل کرنے کے لیے ہر سطح پر رشوت دینا پڑتی تھی۔ صورتِ حال یہ تھی کہ اگر کوئی مقدمہ قائم ہوتا تو اے ایس آئی (ASI) یا انسپکٹر (Inspector) کی سطح کا تفتیشی افسر مقرر ہوتا۔ ہم خود کو بے گناہ اور فریقِ مخالف گناہگار ثابت کرنے کی کوشش کرتا۔ فریقِ مخالف زیادہ مالدار تھا۔ وہ ہمارے خلاف فرضی وقوعہ کی بنا پر ایف آئی آر درج کراتا، پیشہ ور گواہ پیش کرتا اور ایک نیا محاذ کھول دیتا۔ کچھ دیانتدار افراد کو چھوڑ کر ہر سطح پر رشوت لینے والے لوگ موجود تھے۔ اگر ہمیں کوئی تفتیشی افسر بے گناہ تسلیم کر کے مقدمہ خارج کرنے کا فیصلہ دیتا تو فریقِ مخالف ایس ایس پی، ڈی آئی جی یا آئی جی کے پاس ازسرِ نو تفتیش یا تفتیشی افسر کی تبدیلی کی درخواست دے دیتا۔ اس طرح ایک جھوٹے مقدمہ سے چھٹکارا پانے کے لیے قریباً پانچ چھ تفتیشی افسران کے پاس بار بار پیش ہونا پڑتا۔ اگر کوئی مقدمہ ہر سطح پر قابلِ اخراج قرار پاتا تو فریقِ مخالف عدالت میں درخواست دے کر (استغاثہ دائر کر کے) ٹرائل شروع کرا دیتا۔ یہی صورتِ حال دیوانی مقدمات کی تھی۔ والدِ محترم ہمارے سات بھائیوں اور دو بہنوں پر مشتمل خاندان کے واحد کفیل تھے۔ وہ کپڑے کے تاجر تھے۔ اس بحران کی وجہ سے، مقدمات کی پیروی، وکیلوں کی فیسوں کی ادائیگی اور ہر سطح پر حصولِ انصاف کے لیے اخراجات کی وجہ سے ان کا کاروبار بالکل ٹھپ ہو گیا اور ہر ممکن جگہ سے قرض لینا پڑا۔ میں ان کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ اس وقت میں گورنمنٹ کالج فیصل آباد میں (81-1980ء) کے سیشن میں ایف ایس سی (F.Sc) کا سٹوڈنٹ تھا۔ اس وقت میری عمر قریباً اٹھارہ (18) سال اور چھوٹے بھائی مقصود کی عمر قریباً سولہ (16) سال تھی۔ ان دنوں دربار نور شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ فیصل آباد کے قریب چشتی دواخانہ کے عامل باوا نے مجھے حضور غوث اعظم پیران پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کی پنجابی منقبت پڑھنے کے لیے دی۔ میں وہ منقبت روزانہ رات کو بعد نماز عشاء پڑھنے لگا۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ بزرگوں کی محفل ہے۔ اس میں منبر پر حضور پیران پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ جلوہ افروز ہیں۔ دائیں بائیں دو قطاروں میں نہایت مؤدب انداز سے بزرگ کھڑے ہیں۔ میں بزرگوں کی اس دورویہ قطار سے گزر کر پیران پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اپنی ہمشیرہ کے ہمراہ حاضر ہوتا ہوں۔ وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کی تعلیم دیتے ہیں اور قرآن حکیم سے کوئی وظیفہ تجویز فرماتے ہیں۔ جب میری آنکھ کھلی تو مجھے وہ وظیفہ یاد تھا۔ میں نے اپنی ہمشیرہ کو وہ وظیفہ بتا دیا۔

ان جھوٹے مقدمات کے دوران مجھے اپنے والدِ محترم کے ہمراہ دوبار (82-10-14 اور 82-10-16 کو) جیل میں بھی جانا پڑا۔

دوسری بار قریباً ایک ماہ جیل میں رہنا پڑا۔فیصل آباد جیل میں مجھے یونیورسٹی کیمپس کے نام سے منسوب بیرک میں رکھا گیا وہ نئی بیرک بنی تھی۔ وہاں کا ماحول قدرے صاف اور بہتر تھا۔اس میں زرعی یونیورسٹی فیصل آباد کے مقدمہ قتل میں ملوث کچھ طلبا رہ رہے تھے،جن کے ساتھ مجھے رکھا گیا۔ میں نے وہاں قرآن حکیم کی تلاوت شروع کر دی۔ وہاں چند ایک بار مکمل قرآن حکیم پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔شروع میں وہاں آزادی صلب ہونے پر بہت زیادہ نفسیاتی وذہنی تکلیف اور جذباتی کرب محسوس ہوا۔تلاوتِ قرآن حکیم کی بدولت ذہنی اور قلبی سکون مل گیا۔ وہاں ایک روز خواب میں مجھے ایک بزرگ ملے۔انہوں نے صبر کی تلقین کی اور فرمایا کہ اس ماہ کی سولہ(16) تاریخ کو آپ کو آزادی مل جائے گی۔ میں نے یونیورسٹی کیمپس میں موجود دیگر قیدیوں کو بتایا کہ ان شاءاللہ مجھے جلد رہائی نصیب ہو جائے گی۔ رہائی کی تاریخ بھی مجھے بتا دی گئی ہے۔انہوں نے تاریخ پوچھی مگر میں نے ان کے اصرار کے باوجود انہیں تاریخ نہیں بتائی میں نے انہیں صرف اتنا بتایا کہ رہائی کی تاریخ میں چھ کا ہندسہ آتا ہے۔ وہ سائنس سٹوڈنٹس تھے سب میری نوعمری دیکھ کر میرا مذاق اڑانے لگے۔ کہنے لگے' آپ تو ولی اللہ ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں۔آپ کو غیب کی کیسے خبر ہوگئی؟ میں نے صرف اتنا کہا کہ میں ولی اللہ نہیں ہوں مگر اللہ میرا ولی ہے۔انتظار کریں سچ،جھوٹ کا فیصلہ ہو جائے گا۔ پندرہ(15) تاریخ کو پیغام آیا کہ آپ کی ضمانت ہوگئی ہے سب میرا مذاق اڑانے لگے۔ میں خود بھی حیران تھا کہ یہ بشارت درست کیوں نہیں نکلی؟ میں اپنا سامان باندھ کر تیار ہو گیا۔ دیگر قیدیوں کے ساتھ جن کی ضمانت ہوگئی تھی' مجھے بھی بیَرَک(barrack) کے صحن میں بٹھا دیا گیا۔سب کی آزادی کے پروانے پہنچ گئے مگر میرا' میرے والد صاحب، بھائی اور دیگر عزیز رشتہ داروں کی آزادی کا پروانہ(ضمانت منظور ہونے اور رہائی کا حکمنامہ) موصول نہ ہوا۔ یہ اطلاع ملی کہ جج صاحب نے ضمانت منظور کر لی تھی حکمنامے پر دستخط نہیں کیے کہ اچانک انہیں فون آیا اور وہ چلے گئے۔کل حکمنامے پر دستخط ہوں گے اور آپ کو جیل سے رہا کیا جائے گا۔ وہ رات بھی جیل میں گزری۔جیل کے ساتھی جو مذاق اڑا رہے تھے، چپ رہ گئے۔اگلے دن حکمنامہ موصول ہو گیا اور بشارت کے مطابق سولہ (16) تاریخ کو مجھے رہائی مل گئی۔

بندہ عاجز اور اس کے اہلِ خانہ پر ابتلاء کا یہ دور چار سال(1981 تا 1984ء) تک رہا۔اس دوران قرائن وآثار سے معلوم ہوا کہ ہمارا مخالف ہماری تباہی وبربادی اور ہلاکت کے لیے تعویذ دھاگے اور جادو وغیرہ کا بھی سہارا لے رہا ہے۔ان اثرات سے نجات کے لیے اور استمدادِ روحانی طلب کرنے کے لیے جہاں کہیں بھی کسی اللہ والے کا علم ہوا بندہ عاجز وہاں پہنچ گیا۔ ہر جگہ سچے جھوٹے عاملین دکانداریاں سجائے بیٹھے تھے اور حیلے بہانے سے مال وزر اکٹھا کر رہے تھے۔دربار نور شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ کے متولی عارف مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کے توسط سے ایک شاہ صاحب سے رابطہ ہوا۔انہوں نے فی سبیل اللہ ہماری مدد کی۔حالات میں وقتی طور پر کچھ بہتری نظر آئی مگر خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا۔ان دنوں والدِ محترم کے ایک دوست؛ دادا جی(عمر دین مرحوم) کے سلمہ ستارے کے کام میں شاگرد، تایا جی فریاد سے ملاقات ہوئی۔ وہ انارکلی بازار فیصل آباد میں سلمے ستارے(کڑھائی،کشیدہ کاری) کا کام کرتے تھے۔وہ اکثر ہم سے ملنے آتے تھے۔اچھے الفاظ میں تسلی اور دلاسا دیتے تھے۔ وہ اکثر نہایت عقیدت سے اولیاء اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔ایک دن انہوں نے مجھے اور برادرِ من مقصود علی کو بتایا کہ آپ کے دادا جی انڈیا(لودھیانہ) میں کسی بزرگ کے معتقد تھے۔اکثر ان کے پاس حاضری کے لیے جایا کرتے تھے۔کئی برس حاضری کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ایک دن وہ بزرگ آپ کے دادا جی سے کہنے لگے''عمر دین! تمہیں میرے پاس آتے ہوئے کئی سال ہو گئے ہیں۔تم نے کبھی کوئی سوال نہیں کیا۔ یہاں لوگ ہر طرح کے مسائل لے کر آتے ہیں۔ذاتِ باری تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان کا دامنِ مراد بھر دیتی ہے۔تمہارا کوئی مسئلہ حاجت یا ضرورت ہے تو بتاؤ؟ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو مراد پوری ہوگی''۔آپ کے دادا جی نے عرض کیا کہ آپ کے پاس حاضری کی وجہ آپ کی محبت ہے۔ مجھے کوئی طلب نہیں۔ ہاں اولاد کی نعمت سے اب تک محروم ہوں۔دعا فرمادیں۔ بابا جی نے دعا فرمائی اور بشارت دی کہ عمر دین! اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے تمہیں دو بیٹے اور ایک بیٹی عطا فرمائیں گے۔اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آپ کی دادی وفات پا گئیں۔آپ کے دادا کی عقیدت اس قدر راسخ تھی کہ آپ کی دادی کو دفن کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ کہنے لگے کہ بابا جی کے پاس برسوں حاضر رہا ہوں۔ان کا کہا کبھی بھی غلط ثابت نہیں ہوا۔میری بیوی زندہ ہے۔تم غلط کہہ رہے ہو۔ابھی تو ہمیں اولاد عطا ہونی ہے۔وہ کیسے مر سکتی ہے؟ وہ تو زندہ ہے۔عزیز واقارب نے دادا جی کو کمرے میں بند کر کے جنازہ اٹھایا اور دادی اماں کی تدفین کی۔ بعد میں

دادا جی کی دوسری شادی ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک بیٹی اور تین بیٹے عطا فرمائے۔ دادا جی پھر تردد کا شکار ہو گئے کہ بابا جی نے ایک بیٹی اور دو بیٹوں کی بشارت دی تھی۔ ان کا ادھر دھیان نہ گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے دو کے بجائے تین بیٹے عطا فرمائے ہیں۔ اس سے بشارت بھی پوری ہوئی اور مزید اولادِ نرینہ بھی عطا ہوئی ہے۔ جب آپ کے دادا متردّد ہوئے تو کچھ عرصہ بعد تیسرا بیٹا کسی بیماری کا شکار ہوا۔ بعد از علاج معالجہ بھی تندرست نہ ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے پاس بلا لیا۔ تایا جی فریاد کی باتوں سے ہمت حوصلے میں اضافہ ہوتا تھا۔ عبادت اور ذکرِ الٰہی کی رغبت ملتی تھی۔ اولیاء اللہ کے ساتھ محبت میں اضافہ ہوتا تھا۔ بندہ عاجز اور اس کا بھائی اکثر تایا جی کی دکان پر ان سے ملنے جاتے تھے۔ کافی وقت ان کے ساتھ گزرنے لگا۔ وہ علم الاعداد، علم الحروف اور پامسٹری کے بھی ماہر تھے۔ خوابوں کی تعبیر میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ ان کی بتائی ہوئے تعبیر درست نکلتی تھی۔ وہ نام کے حوالے سے شخصیت اور اس کے اوصاف کے بارے میں حیرت انگیز حد تک درست بتاتے تھے۔ بندہ عاجز کو بھی اس وجہ سے پراسرار، روحانی علوم سے دلچسپی ہوگئی اور اس نے روحانی علوم سے متعلقہ کتابیں پڑھنا اور انہیں مشاہداتی اور تجرباتی کسوٹی پر پرکھنا شروع کر دیا۔ جو بات سمجھ نہ آتی وہ تایا جی سے پوچھ لیتا تھا۔ وہ اچھی طرح سے سمجھا دیتے تھے۔ لوگوں کے ناموں، ان کی شخصیات، عادات اور اطوار، خوابوں اور ان کی تعبیر پر غور وفکر کی وجہ سے مختلف علوم میں کافی سمجھ بوجھ پیدا ہوگئی۔ بندہ عاجز کی کہی گئی باتیں کافی زیادہ حد تک درست نکلتیں۔ ان علوم میں دلچسپی اور ان کی تفہیم میں تایا جی نے بنیادی کردار ادا کیا۔

تایا جی جو کہتے تھے درست ثابت ہوتا تھا۔ ان کی کہی ہوئی بات پتھر پر لکیر ثابت ہوتی تھی۔ وہ عبادت گزار، پرہیزگار، پابند صوم وصلوٰۃ اور نہایت نیک کردار انسان تھے۔ خوش گفتار، ملنسار اور خوش اخلاق تھے۔ راست گو اور راست رو تھے۔ میں اکثر ان سے سوال کرتا تھا کہ تایا جی آپ مختلف علوم کے حوالے سے جو باتیں بتاتے ہیں وہ کتابوں میں لکھی نظر نہیں آتی آپ نے یہ سب کچھ کیسے اور کن سے سیکھا ہے؟ ایک دن انہوں نے اس راز سے پردہ اٹھا ہی دیا۔ کہنے لگے کراچی سے چشتیہ سلسلہ کے ایک بزرگ فیصل آباد میں آئے تھے۔ وہ میرے دوست کے پیرومرشد تھے۔ وہ سیّد تھے۔ میں اپنے دوست کے ہمراہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ کافی محبت سے پیش آئے۔ رات کو سویا تو وہ خواب میں آئے اور کہنے لگے کہ فریاد آنکھیں کھولو! دیکھو! میں تمہارے پاس کھڑا ہوں۔ میں تمہاری روحانی تعلیم وتربیت کے لیے آیا ہوں۔ آنکھیں کھولی تو شاہ صاحب کو اپنے سامنے موجود پایا۔ شاہ صاحب نے مجھے دین کے بارے میں کچھ تعلیم دی۔ اس کے بعد وہ روز رات کو تشریف لاتے رہے اور مجھے مختلف علوم کی تعلیم دیتے رہے۔ وہ جو کچھ بتاتے تھے میں وہ ایک ڈائری میں لکھ لیتا تھا۔ تعلیم کا یہ سلسلہ کئی برس جاری رہا۔ ایک روز انہوں نے تعلیم مکمل ہونے کی بشارت دی۔ دورانِ تعلیم میں نے شاہ صاحب سے پوچھا کہ آپ کراچی میں کہاں رہتے ہیں؛ مجھے ایڈریس بتا دیں۔ میں آپ کو وہاں ملنے آؤں گا۔ انہوں نے اصرار کرنے پر مجھے ایڈریس تو بتا دیا مگر کہا کہ تم مجھے ملنے تو آؤ گے پر مل نہیں سکو گے۔ وہاں تمام لوگ مجھے جھوٹا، فراڈیا، ٹھگ کہتے اور سمجھتے ہیں۔ مشیتِ ایزدی کی وجہ سے میں وہاں کافی بدنام ہوں۔ میں نے کہا کہ میں آپ سے ضرور ملوں گا۔ میں ان کے بتائے ہوئے ایڈریس پر کراچی پہنچا۔ ان کے بارے میں جس سے بھی پوچھا اس نے برے الفاظ سے ان کا ذکر کیا۔ میں شاہ صاحب سے ملے بغیر ہی واپس آ گیا۔ واپسی پر شاہ صاحب پھر رات کو مجھے ملے۔ کہنے لگے، ''فریاد! حیرت ہے، تم بھی ان لوگوں کی باتوں میں آ گئے۔ تم تو میرا راز جانتے ہو''۔ میں بہت شرمندہ ہوا اور شاہ صاحب سے معافی مانگی۔ انہوں نے معاف فرما دیا۔ روحانی تعلیم وتربیت کی تکمیل پر مجھے فیصل آباد کی ولایت عطا ہوئی۔ تمام شہر پر میری ڈیوٹی لگا دی گئی۔ یہ ڈیوٹی بہت سخت ہوتی ہے۔ روحانیت کا محکمہ فوج کے محکمہ سے زیادہ سخت، منضبط ومربوط ہوتا ہے۔ اس میں حکم عدولی کی گنجائش نہیں۔ بندہ عاجز نے تایا جی! سے سوال کیا کہ ڈیوٹی کس طرح کی ہوتی ہے؟ اس سے مخلوقِ خدا کو کیا فائدہ پہنچتا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ اس ڈیوٹی کی بدولت مخلوقِ خدا آفاتِ سماوی وارضی سے نجات پاتی ہے۔ فتنہ وفساد سے حفاظت اور نجات پاتی ہے۔ میں نے کہا اس کی کوئی مثال دیں۔ انہوں نے بتایا کہ فتنۂ مرزائیت (فتنۂ قادیانیت) کے خلاف جب تحریک چلی تو فیصل آباد میں ہنگامے شروع ہو گئے۔ کئی جگہ مظاہرین نے آگ لگا دی۔ ایک دن کرفیو کے فوری نفاذ کی وجہ سے میں پیپلز کالونی فوارہ چوک کے نزدیک اپنے گھر میں بیٹھا تھا کہ شاہ صاحب تشریف لے آئے اور حکم دیا کہ فوراً گھنٹہ گھر پہنچو! میں نے فوراً سائیکل لی اور گھر سے گھنٹہ گھر کے لیے روانہ ہوگیا۔ انکار کی گنجائش نہیں تھی کہ شہر میں کرفیو نافذ ہے۔ گھر سے باہر نکلنے والے کو گولی مارنے کا حکم ہے۔ شاہ صاحب کے ذریعے ملنے والے حکم کی پابندی ضروری تھی۔ میں گھر سے نکلا (امین پور

بازار/ کچہری بازار سے) گھنٹہ گھر پہنچا۔ راستے میں یا گھنٹہ گھر موجود پولیس کے افراد نے مجھے نہ روکا۔ گھنٹہ گھر کے پاس کھڑے ایس پی پولیس نے مجھے دیکھ کر کہا کہ کرفیو میں یہ پاگل شخص سائیکل لیے کدھر گھوم پھر رہا ہے! پاس ہی ایک پولیس انسپکٹر کھڑا تھا۔ اس نے کہا کہ سر! انہیں جانے دیں۔ میں انہیں جانتا ہوں! وہاں سے میں ریلبازار میں داخل ہوا۔ مراد کلاتھ ہاؤس کے پاس سے گزرا جسے کہ آگ لگی ہوئی تھی۔ وہاں سے میں ریلبازار گمٹی کے پاس سے گزر کر واپس گھر پہنچ گیا۔ میں نے کہا،''تایا جی! آپ کے اس چکر لگانے سے کیا فائدہ ہوا؟'' کہنے لگے، میں اللہ تعالیٰ کا نام لے کر جدھر سے گزرتا چلا جاتا تھا۔ آگ بجھتی چلی جاتی تھی۔ میں نے کہا، تایا جی! وہ انسپکٹر آپ کو کس طرح جانتا تھا۔ تایا جی کہنے لگے میں آرمی اور پولیس کے بیج (Badge) بناتا ہوں۔ یہ انسپکٹر میرے پاس بیج بنوانے آتا تھا۔ ایک دن اس نے کوئی بات کی تو مجھ سے برداشت نہیں ہوا۔ میں غصے میں آیا اور اس سے کہا کہ فوراً یہاں سے نکل جاؤ ورنہ تمہیں جلا دوں گا۔ وہ ڈر کر بھاگ گیا۔ میں نے کہا، تایا جی! اگر وہ آپ کے کہنے پر نہ جاتا تو کیا آپ اسے جلا دیتے؟ کہنے لگے، ہاں! بالکل! اس وقت کیفیت ہی ایسی تھی۔

تایا جی! سے پہلی بار مجھے پتہ چلا کہ صاحبِ ولایت کا مقام اور کام کیا ہوتا ہے۔ میرا ذاتی تجربہ و مشاہدہ یہی ہے کہ وہ جو کہتے تھے، کر دیتے تھے۔ سچ بولتے تھے اور ان کا کہا ہوا سچ نکلتا تھا۔ مثلاً 1982ء کی بات ہے۔ جب ہمارے حالات بہت خراب تھے اور مشکلات و مصائب کے عذاب سے چھٹکارا پانا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ روزانہ نت نئے گوں نا گوں مسائل کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ایک دن میں نے تایا جی سے عرض کیا۔ تایا جی کیا ہمارے حالات ہمیشہ اسی طرح خراب رہیں گے؟ انہوں نے کہا کہ یہ دنیوی آزمائشیں روحانی (اصلاحی وتعمیری) کورسز کی طرح ہوتی ہیں۔ ہر کورس کی ایک مدت ہوتی ہے۔ آپ کے اس کورس کی بھی ایک مدت ہے۔ میں نے پوچھا کہ اس کورس کی مدت کیا ہے؟ انہوں نے جواب نہیں دیا۔ میں نے بار بار پوچھا مگر وہ ٹالتے رہے۔ ان کی اعلیٰ ظرفی ہے کہ وہ ناراض نہیں ہوئے اور مجھے ڈانٹا بھی نہیں۔ وہ چاہتے تو مجھے ڈانٹ کر بھگا دیتے، ایک دو لگا بھی دیتے۔ مگر وہ جانتے تھے کہ دکھی بندے کو مزید تکلیف نہیں پہنچانی چاہیے۔ وہ صبر وتحمل کا مظاہرہ کرتے رہے اور میری ضد میں اضافہ ہوتا رہا۔ میں نے کہا کہ تایا جی آج میں بہرصورت اس سوال کا جواب لے کر جاؤں گا۔ میں صبح سے رات گئے تک ان کی دوکان پر بیٹھا رہا۔ رات کو ان کے ساتھ دوکان بند کرائی اور ان کے ساتھ ہی چل پڑا۔ انہوں نے کہا کہ اب گھر چلے جاؤ! ضد نہ کرو! میں نے کہا آپ میرے سوال کا جواب دے دیں۔ نہیں تو میں آپ کے ساتھ ہی آپ کے گھر جاؤں گا۔ آپ اپنے گھر میں مجھے جگہ نہیں دیں گے تو آپ کے گھر کے باہر ہی بیٹھا رہوں گا۔ وہ بھوانہ بازار سے باہر نکل کر، نڑوالے اڈہ سے ویگن پر سوار ہو کر پیپلز کالونی فوارہ چوک کے نزدیک اپنے گھر جایا کرتے تھے۔ میں بضد تھا اور ان کے ساتھ ہی بھوانہ بازار سے نکل رہا تھا۔ آخر میں میری ضد کے آگے ان کی محبت ہار گئی۔ کہنے لگے جتنا وقت گزر گیا ہے اتنا ہی رہ گیا ہے میں نے کہا مجھے واضح بتائیں۔ انہوں نے کہا ڈیڑھ سال گزر گیا ہے اور ڈیرھ سال رہ گیا ہے۔(42)

میں نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ دل اطمینان پا گیا کہ آدھا عرصہ گزر گیا ہے۔ ان شاء اللہ باقی آدھا وقت بھی گزر جائے گا۔ میں نے دنوں اور مہینوں کا شمار رکھا۔ الحمدللہ! ان کے بتائے ہوئے وقت کے عین مطابق ایک بھی دن کی کمی بیشی کے بغیر ہماری اپنے دشمنوں سے صلح ہوگئی۔ تمام مقدمات ختم ہوگئے۔ تمام مشکلات، مسائل اور مصائب سے بفضل تعالیٰ بواسطہ بوسیلہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نجات نصیب ہوگئی۔

تایا جی کی محبت وشفقت، ان کے علم وعرفان اور فیضانِ روحانی سے متعلقہ کئی باتیں مجھے یاد ہیں۔ کتاب کی ضخامت کے پیشِ نظر قدرے اختصار سے کام لیتے ہوئے، اہلِ ذوق اور اہلِ محبت افراد کی تسکین کے لیے صرف ایک دو واقعات مزید سپردِ قلم کرتا ہوں۔

ایک بار تایا جی نے پیشین گوئی کی کہ تم ڈاکٹر بن جاؤ گے۔ میں حیران ہوا کہ ناسازگار حالات کی وجہ سے ایف ایس سی کی تعلیم ادھوری رہ گئی ہے۔ ڈاکٹر کیسے بنوں گا۔ بعد میں ہومیوپیتھک تعلیم بھی حاصل کی مگر تسلی نہ ہوئی۔ جوانی اپنے اہل وعیال کے بہتر مستقبل کے لیے کوشش کرتے گزر گئی۔ الحمدللہ مجھے ادھیڑ عمری میں پی ایچ ڈی کی سطح پر تعلیم حاصل کرنے اور کورس ورک مکمل کرنے کی توفیق حاصل ہوئی۔ اس طرح ان کی پیشین گوئی درست ثابت ہوئی۔

ایک روز مجھے شدید بخار ہوا۔ کندھوں پر اور کمر پر شدید دباؤ تھا اور کمر درد کر رہی تھی۔ بھائی مقصود، تایا جی سے ملنے جا رہے تھے۔

میں نے ان کے ذریعے تایا جی کو سلام بھیجا۔ قریباً آدھے گھنٹے بعد میرا بخار اتر گیا۔ میں حیران تھا کہ یہ کیسے ہوا جبکہ میں نے کوئی میڈیسن بھی نہیں کھائی۔ بخار اترنے پر میں نے غسل کیا اور اپنے گھر واقع گلستان کالونی سے پندرہ بیس منٹ میں بھوانہ بازار میں تایا جی فریاد کی سلمہ ستارے والی دکان پر پہنچ گیا۔ مجھے دیکھتے ہی تایا جی مسکرائے۔ کہنے لگے، مقصود علی نے آپ کا سلام کہہ دیا تھا۔ سناؤ بخار اتر گیا ہے؟ میں نے کہا۔ تایا جی سمجھ نہیں آئی کہ بخار اچانک کیسے اترا؟ تایا جی، مسکرائے کہنے لگے، اللہ تعالیٰ کا نام لیا، دعا مانگی تھی کہ بخار اتر جائے اور تم سے ملاقات بھی ہو جائے۔

تایا جی فریاد، پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ مجاز، نور محمد پُوری (کھیس / کمبل) والے کے بیٹے حاجی عبدالرحیم چشتی قادری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 20 جنوری 2010ء) کے مرید تھے۔ صاحبزادہ غلام صمدانی (حاجی عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند) بیان کرتے ہیں کہ متوفی فریاد رحمۃ اللہ علیہ 1973ء کے قریب میرے والد کے بیعت ہوئے تھے۔ انہیں مرشدِ کامل کی تلاش تھی۔ میرے دادا جی انہیں خواب میں ملے۔ خواب میں انہیں اپنا گاؤں چک نمبر 106 گ ب پھرالہ دکھایا۔ اپنے ٹھکانے (مزار) کی نشاندہی کی۔ گاؤں کا ایڈریس اور گاؤں تک پہنچنے کے راستے کی نشاندہی کی۔ اس ایڈریس پر پہنچ کر وہ والدِ محترم مرحوم ومغفور (حاجی عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ) کے بیعت ہوئے۔ انہیں قریباً تیس سال میرے والد کی رفاقت میسر رہی۔ وہ بے باکانہ، دوٹوک انداز سے گفتگو کرتے تھے۔ مختلف علوم کے ماہر تھے۔ کسی کو جو کہہ دیا وہ بفضل تعالیٰ پورا ہو جاتا تھا۔ وہ کہا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر بہت عظمت اور فضیلت عطا کی ہے۔ انسان مجبورِ محض نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اسرار ورموز سے آگہی عطا فرمائی ہے اور اسے بہت سے تصرفات عطا فرمائے ہیں۔

تایا جی فریاد رحمۃ اللہ علیہ نے آج سے قریباً بارہ سال قبل (2003ء کے قریب) وفات پائی۔ ان کے صاحبزادہ افتخار احمد نے راقم الحروف کو بتایا کہ وفات سے کچھ روز قبل ان پر جذب کی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ وہ پنجابی کے بجائے اردو بولنا شروع ہو گئے تھے۔ جو کوئی آتا اسے چائے پانی پلانے کو کہتے۔ بعض لوگوں کی آمد پر مضطرب ہو جاتے تھے اور ہمیں کہتے تھے کہ انہیں واپسی جانے کو کہہ دیں۔ وفات کے روز انہوں نے ہم تینوں بھائیوں کو اپنی دکانوں پر جانے سے روک دیا۔ کہنے لگے کہ آج دکانیں نہ کھولیں۔ گھر پر ہی رہیں۔ اسی روز وہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ گئے۔

راقم الحروف کو ان کی وفات کی خبر اپنی ہمشیرہ سے ملی۔ راقم الحروف کی والدہ بیمار تھیں۔ تایا جی فریاد رحمۃ اللہ علیہ خواب میں ملے اور بتایا کہ انہیں فلاں میڈیسن کھلائیں۔ ان شاءاللہ شفا حاصل ہو گی۔ بندہ نے اس خواب کا اپنی والدہ اور ہمشیرہ سے ذکر کیا تو ہمشیرہ نے بتایا کہ چند روز قبل میں انارکلی، ان کے بیٹے کی دکان پر گئی تھی تو علم ہوا کہ وہ کچھ عرصہ پہلے وفات پا چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور بواسطہ وبوسیلہ اور بشفاعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مدارج بلند فرمائے۔ آمین۔

ڈاکٹر محمد شفیق رحمۃ اللہ علیہ

(۱۹۳۳ء.....۲۰۱۱ء)

ڈاکٹر محمد شفیق نہایت مخلص، سادہ، دیانتدار اور محبت کرنے والے انسان تھے۔ وہ سچے عاشقِ رسول تھے۔ راقم الحروف سے 1983ء تا 2011ء تک، تادمِ آخریں ان کا تعلق اور رابطہ رہا۔ وہ چند ایک ماہ بعد خصوصی ملاقات کا شرف بخشتے تھے۔ ڈاکٹر محمد شفیق مرحوم رحمۃ اللہ علیہ، نبی کریم ﷺ، اہلِ بیت عظام، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اولیاء کرام سے بہت محبت اور عقیدت رکھتے تھے۔ حفظِ مراتب کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ایک بار بابا ملتانی نے، جو کہ صاحبِ کرامت بزرگ تھے، کوئی ایسی بات کی جو انہیں اہلِ بیت عظام اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عظمت کے منافی محسوس ہوئی۔ انہوں نے فوراً بابا ملتانی سے اختلاف کیا اور ان سے بیعت ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔ جن احباب اور اعزہ واقربا کو انہوں نے بابا ملتانی سے بیعت کرایا تھا ان کی بھی بیعت ختم کرا دی۔ بابا ملتانی نے وضاحت کرنے کی کوشش کی مگر ڈاکٹر محمد شفیق نے ان کا عذر قبول نہیں کیا اور ان سے مکمل علیحدگی اختیار کر لی۔ بابا ملتانی جو کہہ دیتے تھے ہو جاتا تھا۔ بارش ہونے کا وقت بتا دیتے تھے اور بحکمِ الٰہی ان کے بتائے ہوئے وقت پر ہی بارش ہوتی تھی۔ آنے والوں کو بتا دیتے تھے کہ وہ گھر سے کیا کھا کر آئے ہیں۔ دل کی باتیں بُوجھ لیتے تھے۔ ان کے مریدوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ اعلیٰ فوجی افسران تک ان سے عقیدت رکھتے تھے۔ ایک بار اہلحدیثوں کی مسجد کے پاس سے گزرے تو نعرۂ حیدری لگا دیا۔ اہلحدیث مولوی نے شرک کا فتویٰ لگا دیا۔ بابا ملتانی نے کہا مولوی صاحب اپنے گھر کی خبر لیں۔ اُس وقت مولوی صاحب کے گھر سے خبر آ گئی کہ مولوی صاحب جلد گھر پہنچیں آپ کی بیوی کی طبیعت شدید خراب ہے۔ مولوی صاحب گھر گئے۔ بہت علاج معالجہ کرایا مگر بیوی کو آرام نہ آیا۔ بالآخر بابا ملتانی کے پاس آ گئے معافی مانگی۔ بابا ملتانی نے کہا، مولوی صاحب کسی انسان سے مدد لینا، کسی طبیب، معالج سے رجوع کرنا، اولیاء اللہ سے استمداد کرنا، شرک نہیں ہے۔ اگر یہ شرک ہے تو آپ کیوں کر رہے ہیں؟ اگر اپنی بیوی کو تندرست دیکھنا چاہتے ہو تو نعرۂ حیدری لگاؤ، کہو ''یا علی'' اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے تمہاری بیوی تندرست ہو جائے گی۔ اس سے تمہیں پتہ چل جائے گا کہ اولیاء اللہ کا فیضان ان کی حیاتِ ظاہری کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ مولوی صاحب نے نعرۂ حیدری لگایا تو بفضل تعالیٰ ان کی بیوی تندرست ہو گئی۔

ڈاکٹر محمد شفیق بتاتے تھے کہ جب انہوں نے بابا ملتانی کی وضاحت قبول نہیں کی تو بابا ملتانی نے کہا، ''جاؤ پھر میں بھی تمہیں ڈاکٹر نہیں بننے دوں گا، نمک تیل کی دکان ڈلواؤں گا۔'' بابا ملتانی کے چیلنج کے بعد ڈاکٹر محمد شفیق بتاتے ہیں کہ وہ پریشان رہنے لگے کہ بابا ملتانی جو کہتا ہے وہ ہو جاتا ہے۔ اب کیا بنے گا؟ اس کے بعد ڈاکٹر محمد شفیق کے مطابق انہوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر حاضر ہیں اور مریضوں کی مرہم پٹی کر رہے ہیں۔ کچھ دن بعد خواب میں دیکھا کہ بازار سے ایک بڑھیا گزر رہی ہے۔ اس نے سر پر پانی کا گھڑا رکھا ہوا ہے۔ جب وہ اس کے قریب پہنچے تو اس بڑھیا نے کہا ڈاکٹر بننا ہے یا کہ نمک تیل کی دکان ڈالنی ہے؟ انہوں نے کہا، ڈاکٹر بننا ہے۔ اس پر بڑھیا نے کہا پھر سوا اکیس روپے نیاز کے لیے دیں۔ ڈاکٹر صاحب نے خواب میں اسے سوا اکیس روپے دے دیے۔ اس نے کہا، جاؤ پھر، اللہ تعالیٰ کے حکم سے تم ڈاکٹر بن جاؤ گے۔ اگلے دن ڈاکٹر صاحب کا خواب حقیقت ثابت ہوا۔ انہیں بازار میں وہی خواب والی بڑھیا نظر آئی اور خواب کی طرح اس سے مکالمہ ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے اسے نیاز کے لیے اکیس روپے دیے تو اس نے کہا، سوا اکیس دینے ہیں۔ پچیس پیسے اور دیں۔ اس پر ڈاکٹر صاحب مسکرائے اور اسے پچیس پیسے مزید دے دیے۔ اس نے ڈاکٹر بننے کی دعا دی اور چلی گئی۔ اس کے بعد انڈیا سے کوئی چشتی بزرگ آئے۔ ڈاکٹر صاحب ان کی محفل میں حاضر ہوئے تو انہوں نے ڈاکٹر صاحب کو دیکھتے ہی کہا، ڈاکٹر بننا ہے یا نمک تیل کی دکان ڈالنی ہے؟ ڈاکٹر صاحب نے اس سے کہا کہ اگر نمک تیل کی دکان ہی ڈالنا ہوتی تو آپ کے پاس کیوں آتا! انہوں نے کہا کہ جاؤ تم ڈاکٹر بن جاؤ گے اور ٹاپ (Top) بھی کرو گے۔ ان کی اس بشارت پر ڈاکٹر صاحب کو یقین ہو گیا کہ وہ

بفضلِ تعالیٰ ڈاکٹر بن جائیں گے اور مجموعی طور پر تمام پیپرز میں یا کسی نہ کسی پیپر میں ٹاپ بھی کریں گے۔ انہوں نے بغیر کسی خاص تیاری کے پیپرز دے دیے۔ وہ پاس ہو گئے اور ایک پیپر میں ٹاپ بھی کیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کو سرکاری ملازمت مل گئی۔ وہ مختلف شہروں میں بحیثیت ڈاکٹر خدمات سرانجام دیتے رہے۔ وہ ڈسٹرکٹ کونسل فیصل آباد میں بھی کئی سال بطور میڈیکل آفیسر خدمات سرانجام دیتے رہے۔ وہ جس شہر یا گاؤں میں بھی رہے باقاعدہ محافلِ میلاد منعقد کرتے رہے۔ محفلِ میلاد کے مخالف طبقہ کے اکثریتی علاقوں میں بھی وہ باوجود ان کی شدید مخالفت کے علی الاعلان شاندار طریقے سے محافلِ میلاد منعقد کرتے رہے۔ اس ضمن میں وہ بتایا کرتے تھے کہ انہیں بہت زیادہ روحانی غیبی مدد ملتی رہی اور مخالفین انہیں کبھی نقصان نہ پہنچا سکے۔

ڈاکٹر صاحب کردار کے غازی تھے۔ ایک بار کسی گاؤں میں وہ تعینات ہوئے۔ گاؤں میں ایک مسجد ویران پڑی تھی۔ اس مسجد میں خطرناک سانپ نظر آتا تھا۔ اس کے ڈر کی وجہ سے لوگوں نے مسجد میں جانا چھوڑ دیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کو علم ہوا تو انہوں نے اس مسجد کو آباد کرنے کا اعلان کر دیا۔ مسجد کے قریب قبرستان میں ایک مجذوب رہتا تھا۔ وہ مجذوب ایک قبر میں رہتا تھا اور کسی کو اپنے پاس نہیں آنے دیتا تھا۔ اگر کوئی قریب جانے کی کوشش کرتا تو انہیں پتھر مارتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب مسجد کو آباد کرنے سے پہلے اس مجذوب کے پاس گئے۔ اس مجذوب نے آپ کو کچھ بھی نہ کہا اور اپنے پاس آنے دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے انہیں سلام کہا اور مسجد کو آباد کرنے کے سلسلہ میں دعا کے لیے کہا۔ مجذوب نے دعا دی اور کہا کہ جاؤ اللہ تعالیٰ تمہارا حامی وناصر ہو۔ ڈاکٹر صاحب نے جا کر مسجد صاف کی اور اذان دی۔ اذان کی آواز سن کر دو تین نمازی آ گئے۔ ڈاکٹر صاحب کی امامت میں جماعت کھڑی ہو گئی۔ نماز شروع ہوئی تو ڈاکٹر صاحب کے سامنے مقامِ سجدہ پر ایک سانپ کنڈلی مار کر اور پھن پھیلا کر بیٹھ گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے جماعت قائم رکھی۔ اقامت، رکوع اور قیام کے بعد ڈاکٹر صاحب سجدہ میں چلے گئے۔ سانپ آپ کو ڈسنے کی جرأت نہ کر سکا۔ اس نے سجدہ کے مقام پر سر رکھ دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کی کھوپڑی پر ہی سر رکھ کر ذاتِ باری تعالیٰ کو سجدہ کر دیا۔ اس طرح نماز مکمل ہوئی۔ نماز کے بعد نمازیوں میں سے ایک نمازی جو پسٹل لے کر آیا تھا، اس نے سانپ کا نشانہ لے کر فائر کر دیا۔ گولی نشانے پر لگی اور سانپ مر گیا۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ ایمان افروز واقعہ ہر طرف مشہور ہو گیا اور لوگ جوق در جوق مسجد میں آنے لگے۔ اس واقعہ کے بعد ڈاکٹر صاحب نے اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کا شکر ادا کیا اور قبرستان میں مجذوب سے ملنے چلے گئے۔ اس مجذوب نے آپ کو دیکھتے ہی مبارک دی اور کہا جب آپ دعا کرانے آئے تھے تو مجھے یہ سب کچھ نظر آ رہا تھا۔ اسی لیے تو میں نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی وناصر ہو۔

راقم الحروف ڈاکٹر صاحب کو اکثر یہ واقعہ اور اس طرح کے دیگر واقعات سنانے کو کہتا تھا اور ان سے یہ سب سن کر بہت حیرت ہوتی تھی کہ آج کل کے دور میں بھی اس قدر مضبوط ایمان والے لوگ موجود ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے بیان کردہ یہ واقعات ریکارڈ ڈ صورت میں بھی میرے پاس موجود ہیں۔

ڈاکٹر صاحب سمارٹ اور خوبصورت شخصیت کے مالک تھے۔ نہایت سادہ اور منکسر المزاج تھے۔ روحانی ودینی امور کے علاوہ کوئی بات نہیں کرتے تھے۔ گفتگو نہایت مدلل انداز سے، بہت دھیمے لہجے سے اور ٹھہر ٹھہر کر کرتے تھے۔ نیکی کے کاموں میں بھرپور حصہ لیتے تھے۔ مستحق افراد کو مفت علاج معالجہ کی سہولتیں فراہم کرتے تھے۔ نہایت باحیا اور غیرت مند انسان تھے۔ شرم وحیا اور پاسداریِ عزت وعصمت کے سلسلہ میں ان کا ایک واقعہ بہت متاثر کن ہے۔ اسے سن کر حضرت یوسف علیہ السلام کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ جب وہ یہ واقعہ بیان کرتے تو اسے سن کر بہت زیادہ روحانی مسرت اور ذوق حاصل ہوتا تھا۔ سننے والے بہت زیادہ محظوظ ہوتے تھے اور کافی دیر تک ہنستے رہتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب بیان کرتے تھے کہ ایک بار، ایک نرس بُری طرح سے ہاتھ دھو کر ان کے پیچھے پڑ گئی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ بچتے رہے۔ ایک دن وہ کمرے میں اکیلے بیٹھے تھے کہ وہ نرس آ گئی۔ اس نے اندر سے کنڈی لگا لی اور برہنہ ہونے لگی۔ یہ دیکھتے ہی ڈاکٹر صاحب گھبرا گئے۔ کمرے کی ایک کھڑکی گلی میں کھلتی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے بلند آواز سے نعرۂ حیدری لگایا اور ''یا علی'' کہتے ہوئے کھڑکی

سے باہر چھلانگ لگادی۔خوفِ خدا کی وجہ سے وہ کافی دور تک بھاگتے چلے گئے۔کچھ دیر بعد احساس ہوا کہ اب بھاگنے کی ضرورت نہیں،تو رک گئے۔اس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں اس آزمائش سے سرخرو فرمایا۔

ڈاکٹر صاحب بہت حساس طبیعت کے مالک تھے۔ وہ سچے عاشقِ رسول تھے۔انہیں اکثر خواب یا بیداری میں نبی کریم ﷺ کی زیارت نصیب رہتی تھی۔ان کا مذہبی گھرانے سے تعلق تھا۔ان کے والد مولابخش ارائیں زمیندار اور سکول ٹیچر تھے۔ان کے والد کہا کرتے تھے کہ وہ بھی کوئی مسلمان ہے جسے اپنے آخری وقت کی خبر نہ ہو۔جب ان کا اپنا آخری وقت آیا تو انہوں نے کچھ روز پہلے ہی سب کو بتادیا کہ میں فلاں دن ،فلاں وقت بحکمِ الٰہی وفات پاجاؤں گا۔مقررہ دن آیا تو لوگ جوق در جوق اکٹھے ہونے لگے۔مولابخش ارائیں بالکل تندرست وتوانا اور ہشاش بشاش موجود تھے۔انہوں نے لوگوں کا استقبال کرنا شروع کردیا۔ان کی نشست گاہ کے قریب ہی خواتین تلاوتِ قرآن کررہی تھیں۔انہوں نے ایک خاتون کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ آپ ذرا دور جا کر بیٹھ جائیں۔آپ کی وجہ سے مجھے تکلیف ہورہی ہے۔بعد میں پتہ چلا کہ وہ خاتون قادیانی تھی۔مولابخش ارائیں نے اپنے نورِفراست سے اسے پہچان لیا تھا۔اس لیے اسے دور ہوجانے کو کہا۔آخری وقت سے کچھ دیر پہلے مولابخش ارائیں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوگئے۔لوگوں سے بھی کہا کہ دائیں بائیں دو قطاریں بنا کر کھڑے ہوجائیں۔درمیان میں راستہ چھوڑ دیں کیونکہ نبی کریم ﷺ تشریف لا رہے ہیں۔کچھ دیر سب لوگ اسی طرح دست بستہ کھڑے ہوکر درود وسلام پڑھتے رہے۔اس کے بعد مولابخش ارائیں چارپائی پر قبلہ رو ہوکر لیٹ گئے۔انہوں نے کلمہ شریف پڑھا اور عین مقررہ وقت پر بحکمِ الٰہی جان، جاں آفریں کے سپرد کردی۔

مولابخش ارائیں رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے پانچ منٹ قبل کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے سابق پرنسپل کرنل عبدالرشید کی بیٹی، لیڈی ڈاکٹر، بریگیڈیئر سعیدہ نے ان کی نبض چیک کی اور تصدیق کی کہ نبض بالکل ٹھیک چل رہی ہے۔انہوں نے مولابخش ارائیں رحمۃ اللہ علیہ کے تادمِ آخریں،ان کی نبض پر ہی ہاتھ رکھا اور تصدیق کی کہ آخری وقت تک نبض عین ٹھیک چلتی رہی۔

ڈاکٹر محمد شفیق، فاتحِ قادیانیت نواب الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے، کشمیر کے ترانے کے خالق حافظ مظہر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے داماد تھے۔نواب الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے پیر بھائی تھے۔نسیم حجازی حافظ مظہر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے بہنوئی تھے۔ابوالنور محمد بشیر احمد کوٹلی لوہاراں والے، حافظ مظہر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے بہنوئی تھے۔محمد بشیر احمد کوٹلی لوہاراں والے رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے عطاء المصطفیٰ جمیل بھی مشہور عالمِ دین ہیں۔

ڈاکٹر محمد شفیق رحمۃ اللہ علیہ کے پاس غلافِ کعبہ کا ٹکڑا، نبی کریم ﷺ کے جبہ مبارک کے دھاگے اور چند ایک اولیاء اللہ کے تبرکات موجود ومحفوظ تھے۔وہ اکثر ان کی زیارت کرتے رہتے تھے۔راقم الحروف کو بھی چند ایک بار ان تبرکات کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے۔

ڈاکٹر محمد شفیق رحمۃ اللہ علیہ فیصل آباد میں دعوتِ اسلامی کی تحریک کے بانی رہنماؤں میں سے تھے۔فیصل آباد میں مرکز دعوتِ اسلامی سوساں روڈ، مدینہ ٹاؤن کی بنیاد رکھنے اور اسے وسعت دینے میں انہوں نے مرکزی کردار ادا کیا تھا۔

وفات سے کچھ سال قبل ڈاکٹر صاحب شدید علیل ہوگئے تھے۔راقم الحروف خیابانِ مدینہ، وقاص چوک میں واقع ان کی رہائش گاہ پر ان کی زیارت کے لیے حاضر ہوا۔انہیں بہت نحیف دیکھ کر بہت تشویش ہوئی۔انہوں نے کہا کہ ہر طرح کی دوا استعمال کی ہے مگر فرق نہیں پڑا۔میں نے عرض کیا ڈاکٹر صاحب آپ نے الحمد شریف سے استمداد نہیں کیا۔وہ کہنے لگے،نہیں،ادھر دھیان نہیں گیا۔میں نے کہا، ہر نماز کے بعد آپ چند ایک بار سورہ فاتحہ شریف پڑھ کر خود کو دم کرلیا کریں۔الحمد للہ، چند روز بعد ڈاکٹر صاحب بالکل تندرست ہوگئے اور مجھے ملنے کے لیے میرے دفتر واقع طارق آباد، فیصل آباد تشریف لائے اور بتایا کہ اس عمل کی برکت سے انہیں تندرستی عطا ہوئی ہے۔

میں نے ڈاکٹر صاحب سے وعدہ لیا کہ ڈاکٹر صاحب روزِ محشر، بفضلِ تعالیٰ، بشفاعتِ نبی کریم ﷺ جب آپ کو نویدِ بخشش ملے اور ساتھ ہی اذنِ شفاعت حاصل ہو تو آپ میری بھی شفاعت فرمائیں گے۔ڈاکٹر صاحب نے وعدہ فرمایا کہ ان شاء اللہ ضرور ایسا ہوگا۔اس ضمن میں بندہ عاجز اکثر ڈاکٹر صاحب سے تجدیدِ عہد کراتا رہتا تھا۔میں خوش نصیب ہوں کہ مجھے اللہ تعالیٰ، اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ، انبیاء

کرام، امہات المؤمنین، اہلِ بیت، صحابہ کرام وصحابیات (رضوان اللہ علیہم اجمعین)، اولیاء اللہ، اپنے مشائخ عظام، اساتذہ، شاگردوں، والدین اور اعزہ واقارب کی محبت نصیب ہوئی۔ نیک لوگوں کی محبت، باعثِ نجات ہے اور ان شاء اللہ، بفضلِ تعالیٰ یہ محبت کام آئے گی۔ اپنی نیکیوں پر کوئی اعتبار نہیں اور رہ گئے گناہ تو اللہ تعالیٰ کی بے حد وحساب رحمت، فضل اور کرم کے سامنے کل مخلوقات کے گناہ کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ نجات کا دارومدار فضل وکرم پر ہے۔ نیکی کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔ گناہوں سے بچنے کی بھی حتیٰ المقدور کوشش کرنی چاہیے۔ اس کے ساتھ ہی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی رحمت اللعالمینی پر ہی بھروسہ رکھنا چاہیے۔

عمل کی میرے اساس کیا ہے، بجز ندامت کے پاس کیا ہے رہے سلامت تمہاری نسبت میرا تو اک آسرا یہی ہے (43)

ڈاکٹر محمد شفیق رحمۃ اللہ علیہ وفات سے چند روز قبل اشارے کنائے سے سفرِ آخرت کا تذکرہ کرتے رہتے تھے۔ آخری ایام میں انہیں کثرت سے ارواحِ مقدسہ کی زیارت ہونے لگی تھی۔ اچانک مؤدب ہو جاتے اور بتاتے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے ہیں۔ آخری دنوں میں آپ درود وسلام ''الصلوٰۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ'' کثرت سے پڑھتے رہے۔ آپ سونے سے پہلے مطالعہ کے عادی تھے۔ وصال کی رات کتاب ''پنجتن'' کا مطالعہ کیا۔ 2011ء میں اتوار کی رات بارہ بجے کے بعد کلمہ طیبہ اور درود وسلام پڑھتے ہوئے، جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ آپ کی نمازِ جنازہ فیضانِ مدینہ میں ادا کی گئی۔ فیصل آباد میں امیرِ اہلسنت شاہد عطاری مدظلہ العالی نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ انہوں نے ڈاکٹر محمد شفیق رحمۃ اللہ علیہ کی دینی خدمات کا ذکر کیا، انہیں خراجِ تحسین پیش کیا اور نہایت محبت سے ان کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔

ڈاکٹر محمد شفیق رحمۃ اللہ علیہ کا اب بھی فیضان جاری ہے۔ وہ اپنے متعلقین اور احباب کو سبز لباس میں مسکراتے نظر آتے ہیں۔ کبھی کوئی پھل بھی ہاتھ میں نظر آتا ہے۔ وہ زیادہ تر نماز کی ادائیگی کی تلقین کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں دو بیٹے (عامر شفیق، احمد رضا) اور دو بیٹیاں (عظمیٰ اور فوزیہ) عطا فرمائیں۔ بیٹے اور بیٹیاں سب کے سب شادی شدہ ہیں۔ عامر شفیق کا پیشہ تجارت ہے۔ احمد رضا پراپرٹی کا کام کرتے ہیں۔ آج کل وہ امریکہ میں مقیم ہیں۔ اپنے آبا وَاجداد کے اقتدا میں عامر شفیق اور احمد رضا دینی امور میں دلچسپی لیتے ہیں اور ہر سال اہتمام سے محفلِ میلاد منعقد کرتے اور خدمتِ خلق کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے، نبی کریم ﷺ سے اپنی محبت کا عملی اظہار کر رہے ہیں۔

”ماں جی“ دامت برکاتہم العالیہ

خدا بہتر جانے یہ کوئی اتفاقیہ امر ہے یا اس کے پیچھے قدرت کا کوئی طبعی، فطرتی یا توارثی قانون یا اصول کارفرما ہے، میری والدہ محترمہ (ثریا بی بی) بیان کرتی ہیں کہ ان کے دو ماموں تقریباً 2/3 سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ ان کے بعد ان کی والدہ شوکت بیگم پیدا ہوئیں۔ وہ ایک سال کی تھیں کہ ان کی والدہ فضلاں بی بی وفات پا گئیں۔ فضلاں بی بی کے انتقال کے بعد میرے نانا، جن کا نام شادی تھا، نے اپنی سالی شریفاں بی بی سے شادی کی۔ سوتیلی ماں شریفاں بی بی نے شوکت بی بی پر طرح طرح کے ظلم وستم شروع کر دیئے۔ جب ہمسائے وغیرہ نانا جی کو میری والدہ شوکت بی بی پر ظلم وستم کا بتاتے تو وہ یقین نہیں کرتے تھے۔ ایک دن وہ اچانک گھر آئے تو دیکھا کہ سوتیلی ماں (شریفاں بی بی) میری والدہ (شوکت بی بی) کے دونوں ہاتھوں پر چارپائی بچھا کر لیٹی ہوئی ہے۔ والدہ بری طرح سے رو رہی تھیں مگر سوتیلی ماں آرام سے چارپائی پر لیٹی ہوئی تھی۔ انہوں نے اسی وقت شریفاں بی بی کو طلاق دے دی۔ بعد میں انہوں نے بختاور بی بی سے شادی کی جس سے دو بیٹے تاج اور عبدالحمید پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے میری نانی کی طرح میری والدہ محترمہ کو بھی دو بیٹے عطا فرمائے۔ ان میں سے ایک تین سال کی عمر میں اور دوسرا چار سال کی عمر میں وفات پا گیا۔ اس کے بعد میں پیدا ہوئی۔ میں ایک سال کی تھی کہ میری والدہ وفات پا گئیں۔ قریبی رشتہ داروں نے پرورش کا ذمہ لے لیا۔ خصوصاً دادا ’جان محمدؒ (جانی) نے ضعیف العمر ہونے کے باوجود میری پرورش میں خصوصی دلچسپی لی۔ انہوں نے بڑھاپے میں پھر سے محنت مزدوری شروع کر دی اور میری پرورش کی۔ جب میں نو (9) برس کی تھی تو میرے والد (فضل محمد) نے ممتاز بی بی سے دوسری شادی کر لی۔ اپنی والدہ کی طرح مجھے بھی سوتیلی ماں کی سختیاں برداشت کرنا پڑیں۔ میں بارہ (12) سال کی تھی ایک دن میری سوتیلی والدہ نے مجھے گھر سے نکال دیا۔ میں بے کسی اور بے بسی کے عالم میں چل پڑی۔ بہت پریشان اور خوف زدہ تھی۔ کسی رشتہ دار یا واقف کے گھر کا پتہ نہیں تھا۔ راستے میں اچانک ایک بزرگ ملے۔ انہوں نے سبز دھوتی اور سفید قمیض پہنی ہوئی تھی۔ ان کے گلے میں تسبیح تھی۔ انہوں نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور پوچھا کہ بیٹی تم پریشان نظر آتی ہو اس وقت اکیلی کدھر جا رہی ہو؟ میں نے کہا، بابا جی میری سوتیلی والدہ نے مجھے گھر سے نکال دیا ہے۔ انہوں نے پوچھا تمہارے والد کا نام کیا ہے اور کیا کام کرتے ہیں؟ میں نے کہا، ان کا نام فضل محمد ہے۔ وہ اعظم مارکیٹ میں کام کرتے ہیں۔ وہ بزرگ مجھے اعظم مارکیٹ میں لے گئے۔ ابا جان دکان پر نہیں تھے۔ ملازم موجود تھے۔ انہوں نے ایک ملازم کے ساتھ مجھے مصری شاہ میری والدہ کے حقیقی چچا کی بیٹی، رشیدہ کے پاس چھوڑ آنے کو کہا اور خود دکان پر ہی بیٹھ گئے۔ ملازم سے کہا تم واپس آؤ گے تو جاؤں گا۔ انہوں نے ملازموں کو یہ پیغام بھی دیا کہ چراغ آئے تو کہنا بابا شاہنواز آئے تھے انہوں نے کہا ہے اپنی بیوی (ممتاز بیگم) کو چھوڑ دے۔ وگرنہ، موت اسی کے ہاتھ سے ہی آئے گی۔ انہوں نے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر وعدہ کیا کہ وہ ہمیشہ میرا ساتھ دیں گے اس وعدہ کو آج تک جب کہ میری عمر تقریباً سرسٹھ (67) برس ہو چکی ہے، پورا کر رہے ہیں۔ ہر مشکل وقت، بفضل تعالیٰ وہ روحانی طور پر تشریف لے آئے۔ کبھی خواب میں اور کبھی حالتِ بیداری میں، انہوں نے ہر حال میں میری مدد کی۔

راقم نے اپنی والدہ محترمہ سے سوال کیا کہ آپ کی سوتیلی والدہ (ممتاز بیگم) نے آپ کو گھر سے کیوں نکالا تھا؟ انہوں نے کہا، ہم کرائے کے مکان میں رہتے تھے۔ مالک مکان کا کپڑے کا کاروبار تھا۔ میری سوتیلی والدہ، مالک مکان اور اس کی بیوی کے ساتھ دریائے راوی کی سیر کا کہہ کر چلی گئی۔ شام کو دیر سے آئی۔ کھانا بھی نہ پکایا۔ والد صاحب گھر آئے تو کھانا مانگا۔ والدہ نے کوئی بہانہ کر دیا۔ میرے والد نے الگ سے مجھ سے اصل ماجرا پوچھا۔ میں نے سب کچھ سچ بتا دیا۔ والد غصے میں آ گئے اور والدہ کو مارا۔ والدہ نے اپنے دو بھائیوں اور بہنوئی کو بلا لیا۔ والد صاحب نے کھڑکی سے چھلانگ لگائی اور تھانے رپٹ درج کرانے چلے گئے۔ سوتیلی والدہ اور مالک مکان کی بیوی نے مجھے زبردستی گھر سے نکال دیا، تاکہ میرے والد، میری تلاش میں نکل پڑیں اور ان کی جان چھوٹ جائے۔

بابا جی شاہنواز اس سے پہلے بھی روحانی طور پر میری مدد کر چکے تھے۔ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک دن میری سوتیلی والدہ اور اس کی بہن کسی جوتا ساز فیکٹری کے مالک کے ساتھ قریباً 4 بجے سہ پہر گئیں اور رات 10 بجے آئیں۔جب میرے ابا جان آئے تو میں نے انہیں تمام ماجرا کہہ دیا۔انہوں نے میری سوتیلی والدہ کو اس بات پر مارا پیٹا۔اگلے دن صبح میری والدہ نے چائے بنانے کے لیے چولہے پر پانی رکھا۔میں پاس ہی بیٹھی تھی۔ہماری ایک دور کی رشتہ دار امام بی بی بھی پاس ہی تھی۔اچانک میری سوتیلی والدہ نے چائے کے پانی والی دیگچی اُٹھائی اور اُبلتا ہوا پانی میرے اوپر گرا دیا۔میری چیخ نکل گئی۔ساتھ ہی امام بی بی کی بھی چیخ نکل گئی اور میرے والد کو پکار کر کہا، ''فضل! تمہاری بیٹی جل گئی ہے''۔والد صاحب نچلی منزل پر تھے۔شور سن کر دوڑتے ہوئے آئے۔دیکھا تو میں بالکل ٹھیک تھی۔میرے قریب ہی زمین پر ابلتا ہوا پانی بہہ رہا تھا جس سے بھاپ اُٹھ رہی تھی۔خدا کی قدرت کہ جب میری والدہ نے اُبلتا ہوا پانی مجھ پر گرایا، عین اُسی وقت بابا شاہنواز آ گئے۔انہوں نے دیگچی پر ہاتھ مارا جس سے پانی مجھ پر نہیں، پاس ہی گرا۔میرے والد نے مجھ سے ماجرا پوچھا تو میں نے بتایا کہ بابا جی آئے تھے، ان کی مداخلت کی وجہ سے میں بچ گئی۔والد صاحب خاموش ہو گئے۔بعد میں مجھے پتہ چلا کہ وہ بابا جی شاہنواز کو جانتے تھے۔انڈیا میں میرے والد جب قرآن حکیم کی تلاوت کیا کرتے تھے تو بابا جی شاہنواز تشریف لے آتے تھے اور نہایت ذوق وشوق سے تلاوت سنا کرتے تھے۔یہ حقیقت خدا جانے کہ وہ کوئی جن تھے، کسی بزرگ کی روح تھی یا اس دور میں موجود کوئی بزرگ تھے۔مشکل وقت میں وہ میرے والد اور میری مدد ورہنمائی کے لیے تشریف لے آتے تھے۔یہ سلسلہ تاحیات جاری رہا اور ایسا اب بھی ہو رہا ہے۔

چودہ (14) سال کی تھی کہ میری شادی ہوگئی۔اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک بیٹی (یاسمین اختر) اور تین بیٹے (محمود علی انجم، مقصود علی اور سجاد احمد) عطا فرمائے۔میری عمر قریباً اٹھارہ (18) سال کی تھی کہ میرے والد وفات پا گئے۔ان کی وفات کے نو (9) دن بعد مقصود علی کی ولادت ہوئی تھی۔میری عمر قریباً تئیس (23) برس کی تھی کہ لاہور میں ڈاکٹر کرنل سمیع کے ہسپتال میں میرا آپریشن ہوا۔میری دیکھ بھال کے لیے سوتیلی والدہ میرے پاس ٹھہر گئیں۔آپریشن کے بعد مجھے بیڈ پر لٹایا گیا تو کسی وجہ سے پیٹ پر لگے ٹانکے ٹوٹ گئے۔مجھے پتہ نہ چلا۔نرس ٹیکہ لگانے لگی تو اس کی نظر پڑ گئی۔مجھے فوری علاج مہیا کیا گیا۔اسی رات بابا جی شاہنواز اور میرے والد آ گئے۔بابا جی شاہنواز آ گے کھڑے تھے اور میرے والد پیچھے کھڑے تھے۔بابا جی شاہنواز نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا، بیٹی ہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ کے ساتھ ہیں اور ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔اگلے دن ڈاکٹر کرنل سمیع مجھے چیک کرنے آئے تو مجھ سے پوچھا، بیٹی تمہاری دیکھ بھال کرنے والی خاتون کون ہے؟ میں نے کہا، میری والدہ۔ڈاکٹر صاحب نے کہا، میں ہرگز نہیں مانتا کہ وہ تمہاری والدہ ہے۔میرا عمر بھر کا تجربہ ہے۔ماں اپنے بیٹے، بیٹی کی جس طرح دیکھ بھال کرتی ہے، اس طرح اس نے دیکھ بھال نہیں کی۔ڈاکٹر صاحب کے اصرار پر میں نے بتایا کہ وہ میری سوتیلی والدہ ہیں تو وہ مان گئے۔کہنے لگے، یہ میں مان سکتا ہوں کیونکہ ان کا رویہ سوتیلی ماں جیسا ہی ہے۔اس کے بعد ڈاکٹر صاحب مجھ پر باپ کی طرح شفقت کرتے رہے۔چیک اپ فیس نہیں لیتے تھے۔اگر میں کسی قریبی عزیزہ کو بھی علاج معالجہ کے لیے لے جاتی تو اس سے بھی فیس نہیں لیتے تھے۔اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔(آمین)

جب میری عمر قریباً پندرہ (15) برس تھی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے بیٹی (یاسمین اختر) عطا فرمائی، میرے نانا اور دادا میرے بارے میں بہت فکر مند تھے کیونکہ میری والدہ (شوکت بیگم) اور نانی (فضلاں بی بی) کی کہانی ملتی جلتی ہے۔دونوں کے ہاں دو، دو بیٹے پیدا ہوئے اور وہ وفات پا گئے۔جب ان میں سے ہر ایک کی بیٹی کی عمر ایک سال ہوئی تو خود وفات پا گئیں۔اس لیے میرے نانا اور دادا کو اندیشہ تھا کہ اس کی بیٹی سال کی ہوئی تو ہوسکتا ہے کہ یہ بھی مر جائے۔الحمدُ للہ یہ ریت ختم ہوئی۔اللہ تعالیٰ بڑا رحیم وکریم ہے۔

بندہ عاجز، احقر العباد (مصنف کتاب) کو اپنے خاندان، برادری اور آباؤ اجداد کے بارے میں جاننے کا کافی شوق اور تجسس تھا۔اس لیے جب کبھی موقع ملتا ماں جی سے ان کے ماضی اور آباؤ اجداد کے بارے میں سوالات کرتا رہتا تھا۔اس طرح مجھے بہت کچھ جاننے اور سمجھنے کو ملا۔آج کل کسی کے پاس وقت نہیں کہ وہ ان باتوں پر غور وفکر کرے کہ وہ کون ہے؟ وہ کیا کر رہا ہے؟ اسے کیا کرنا چاہیے؟ اس کے آباؤ اجداد نے کیسی زندگی گزاری؟ وہ اپنی آنے والی نسلوں کو کیا دے کر گئے؟ ان سے اچھا برا کیا ہوا؟ اگر ہم ان باتوں پر غور کریں تو ہم

اپنے اسلاف کے حالات و معاملات سے آگاہ ہو کر زیادہ بہتر زندگی گزار سکتے ہیں اور آنے والی نسلوں کو بہتر معیارِ زندگی اور وسائل مہیا کر سکتے ہیں۔ میرا یہی ذوق وشوق میرے علم اور میرے فہم وفراست میں اضافے کا سبب بنا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میرا یہ ذوقِ علم، ذوقِ عمل میں تبدیل ہوا اور اس کی بدولت میرا ذاتِ باری تعالیٰ سے، نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے، اولیاءِ عظام سے، ملائکہ سے تسلی بخش رابطہ قائم ہوا۔ مجھے حسبِ ذوق اور حسبِ استطاعت ان سے بالواسطہ و بلاواسطہ ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ حتیٰ کہ ابلیس سے بھی مکالمے کا موقع ملا۔ میں نے عملی اور مشاہداتی طور پر بھی یہ میراث اپنی اولاد، اعزہ واقربا، شاگردوں اور مریدین کو منتقل کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ اس میں کچھ کامیابی بھی حاصل ہوئی، مگر، افسوس کوئی طالبِ صادق نہ ملا۔ ہر کوئی چند قدم چل کر، چند منزلیں طے کر کے جمود کا شکار ہو گیا۔ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر، بندہ عاجز نے کوشش کی ہے کہ اپنے مرشد سے، اپنے مشائخ و اساتذہ سے اور اپنے اسلاف سے حاصل ہونے والی قیمتی علمی و روحانی میراث کو تحریری شکل میں محفوظ کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ آنے والی نسلوں میں سے جس کسی کے نصیب میں ہو اسے یہ دولت مل جائے۔ ایسا ان شاء اللہ ضرور ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس امر کی بشارت مل چکی ہے اور مجھے اس بات کا یقین ہے۔ یہ کتاب میں نے گفتگو کے انداز پہ لکھی ہے۔ اس لیے بعض مقامات پر دورانِ گفتگو، موضوع کے سیاق وسباق کی وضاحت کے لیے اصل موضوع سے ہٹنا پڑا جس وجہ سے ہوسکتا ہے بعض قارئین کو اچھا نہ لگے، مگر دورانِ گفتگو ان باتوں کی گنجائش ہوتی ہے۔ اس لیے امید ہے کہ وہ میرے اسلوبِ بیان کی کمزوری سے اعراض فرمائیں گے۔ اب پھر میں اصل موضوع کی طرف آتا ہوں۔

ماں جی نے باقاعدہ طور پر مدرسے یا سکول کی تعلیم حاصل نہیں کی مگر خداداد صلاحیتوں کی بدولت اپنے والد اور دادا کی دی ہوئی تعلیم و تربیت کی وجہ سے انہیں محبت، اخوت، صدق وصفا، ہمدردی، اخلاص، صبر وتحمل، بردباری، سخاوت اور دریا دلی کی صفات حاصل ہوگئی تھیں۔ انہوں نے نہایت محبت، صبر وتحمل اور بردباری سے ہم سب بہن بھائیوں کی پرورش کی۔ سادگی اور کفایت شعاری سے گھر کا نظام چلایا۔ انہوں نے دل وجان سے ہمارے والدِ محترم کی اطاعت اور خدمت کی۔ ان کی مرضی اور منشا کے مطابق گھر کا نظام چلایا۔ جب ہمارے والدِ محترم بیمار ہوئے تو ان کی بھرپور خدمت کی۔ والد محترم مزدور پیشہ تھے۔ شروع میں وہ اچار بنا کر فروخت کرتے تھے۔ ماں جی گھر کے کاموں کے علاوہ مختلف قسم کا اچار بنانے میں بھی ان کی مدد کرتی تھیں۔ اس کے بعد انہوں نے کپڑے کی تجارت شروع کر دی۔ بعد میں کچھ عرصہ فوڈ شاپ بھی کھولی۔ مختلف قسم کی ڈشز گھر سے ہی تیار ہو کر جاتی تھیں اور یہ سب کچھ ماں جی ہی تیار کرتی تھیں۔

ماں جی نے گھریلو امور چلانے کے ساتھ ساتھ دیگر رشتہ داروں سے بھی قرابت کا تعلق خوب نبھایا۔ ہر ایک کے خوشی وغم میں بھرپور طریقے سے شامل ہوتی رہیں۔ ہر ایک سے محبت کی اور ہر ایک کا ساتھ دیا۔ اس وقت میری عمر قریباً 54 سال ہے۔ قریباً 40/45 سال کے باشعور دورِ حیات کے ذاتی مشاہدات کی رو سے میں یہ بات نہایت وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ایسے رشتہ دار بھی ہیں جنہوں نے کبھی بھی محبت اور خلوص کا جواب محبت اور خلوص کی شکل میں نہیں دیا مگر ماں جی نے ان کے ساتھ حسنِ سلوک کی روش تبدیل نہ کی بلکہ ہر طرح سے ان کی مدد کرتی رہیں اور ہمیں بھی ہر کس وناکس، اپنے پرائے سے حسنِ سلوک کی تلقین کرتی رہیں۔

ایک بار ہمارے قریبی رشتہ داروں میں سے دشمن خاندان کا ایک فرد مجبوری و بے کسی کی حالت میں راقم الحروف کے غریب خانے پر مدد حاصل کرنے آیا تو راقم الحروف نے ماں جی سے فون پر رابطہ کیا اور پوچھا کہ اس کے ساتھ کیسے پیش آؤں۔ انہوں نے فرمایا، اسے کھانا کھلائیں۔ اس کے ساتھ عزت سے پیش آئیں اور اس کی مالی امداد کریں۔ بندہ عاجز نے آپ کے حکم کے مطابق ایسے ہی کیا۔

نہایت تنگی وتنگ دستی کے زمانہ میں بھی ماں جی نے نہایت بردباری، صبر وتحمل اور کفایت شعاری سے گھر کا نظام چلایا، خودداری کا مظاہرہ کیا اور کبھی بھی کسی پر اپنی تنگ دستی ظاہر ہونے نہیں دی۔

ہم نو عدد بھائیوں اور دو عدد بہنوں میں سے بھائی فرخ یٰسین نومولودگی کی عمر میں اور بہن ناہید قریباً 20 سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ بھائی فیاض اور بھائی خرم یٰسین جو کہ شادی شدہ تھے، وہ بھی وفات پا گئے ہیں۔ باقی چھ بھائی اور ایک بہن، سب شادی شدہ ہیں۔ ہماری اولاد میں سے بھی بہت سے بچوں اور بچیوں کی شادیاں ہو چکی ہیں اور آگے وہ بھی صاحبِ اولاد ہو رہے ہیں۔ اس وقت ماں جی بحیثیت دادی ونانی اور بحیثیت پردادی و پرنانی، ہر چھوٹے بڑے سے نہایت محبت سے رشتہ نبھا رہی ہیں۔ ہر ایک یہی گمان کرتا ہے کہ ان کی دادی،

نانی، پردادی اور پرنانی اس سے سب سے زیادہ پیار کرتی ہیں۔ ماں جی کا محبت کا یہ سلسلہ جو کہ کافی وسعت اختیار کر چکا ہے، زبانی جمع خرچ پر مبنی نہیں ہے بلکہ ہر سطح پر اس کے عملی مظاہر دیکھنے میں آتے ہیں۔ کسی کو سونے کی انگوٹھی بنوا کر دے رہی ہیں۔ کسی کو جہیز میں بطور تحفہ ریفریجریٹر دے رہی ہیں۔ کسی کو واشنگ مشین دی جا رہی ہے۔ کبھی تمام بہوؤں میں چادریں اور شالیں تقسیم ہو رہی ہیں۔ کسی بہن بھائی کی مالی مدد کی جا رہی ہے۔ کسی کو راشن دے رہی ہیں۔

ماں جی جس کسی کو دعا دے دیں وہ ضرور پوری ہوتی ہے۔ وہ فیصل آباد، لاہور، راولپنڈی، کراچی جدھر جاتی ہیں وہاں ان کا فیضان جاری رہتا ہے۔ ان کے حسنِ سلوک، حسنِ اخلاق، محبت و ہمدردی اور دریا دلی کی بدولت جو کوئی بھی ان سے ایک بار ملاقات کر لے انہیں دل و جان سے 'ماں جی' تسلیم کر لیتا ہے' انہیں 'ماں جی' کہہ کر پکارنا شروع ہو جاتا ہے اور برسوں بعد بھی جب کبھی ملاقات ہو تو ہم سے 'ماں جی' کے بارے میں ضرور پوچھتا ہے اور انہیں سلام کہتا ہے۔ اپنا ہو یا پرایا، ماں جی کے محبت بھرے لہجے اور سلوک کی وجہ سے ان کا ہو جاتا ہے۔ میرے بہت سے شاگرد بچے اور بچیاں بھی برسوں سے ماں جی سے قلبی و روحانی تعلق رکھتے ہیں۔

ماں جی کی ہر شہر میں چاہنے والی بہت سی سہیلیاں بھی ہیں۔ ان سہیلیوں سے ان کے زندگی بھر کے مراسم ہیں۔ ہم ان کی سہیلیوں کو خالہ کہہ کر بلاتے ہیں مثلاً خالہ ارشاد، خالہ کھیسوں والی (ان کے خاوند کھیس بناتے تھے)، خالہ حمیداں، خالہ ارائیں، جن سے برسوں کے خوشی و غم کے مراسم قائم ہیں۔

ماں جی کی ہر دلعزیزی کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہ ہر آنے جانے والے کو موقع محل کی مناسبت سے کھانا کھلانے، چائے پلانے اور مشروبات سے تواضع کی کوشش کرتی ہیں۔ اگر کسی کی کسی ضرورت کا علم ہو یا اس کی کسی پریشانی کا پتہ چلے تو ہر ممکن طریقے سے اس کی ضرورت پوری کرنے اور پریشانی دور کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ بہت سے اپنے پرائے جو، اُن سے ملاقات نہ کر سکیں وہ ٹیلی فون پر یا کسی کے ذریعے ان سے رابطہ کرتے ہیں۔ وہ انہیں تسلی اور دلاسا دیتی ہیں۔ اس کی پریشانی دور کرنے کے لیے مناسب مشورہ دیتی ہیں اور دعائیں بھی دیتی ہیں۔ اس طرح وہ ہر کس و ناکس کے سماجی، معاشی، اخلاقی، نفسیاتی، ذہنی اور روحانی مسائل حل کرنے کے لیے مشورہ دیتی ہیں، وظائف تجویز کرتی ہیں اور اپنے وسائل بروئے کار لاتے ہوئے مالی مدد بھی کرتی ہیں۔ ان کا پرس کبھی بھی روپے پیسوں سے خالی نہیں ہوتا۔ ان کے بیٹے، پوتے ان کے حضور نذرانے پیش کرتے رہتے ہیں۔

بھائی فیاض احمد اور بھائی خرم یٰسین کی وفات کے بعد ماں جی نے ان کی بیواؤں اور بچوں کی کفالت میں بھرپور کردار ادا کیا۔ آج بھائی فیاض احمد کے تینوں بیٹے بڑے ہو چکے ہیں۔ تینوں برسرِ روزگار ہیں۔ بڑے بیٹے فراز احمد کی شادی بھی ہو چکی ہے۔

ماں جی نے اپنے بیٹوں اور بہوؤں کے باہمی اختلافات کی صورت میں بہوؤں کی حمایت کی اور ان کے گھر آباد کرنے میں نمایاں طور پر مثبت کردار ادا کیا۔ اس وقت ان کی دس بہوئیں ہیں اور سب کی سب دل و جان سے ان کی عزت کرتی ہیں اور ان کی خدمت میں کوشاں رہتی ہیں۔

ماں جی کو گھریلو اختلافات دور کرنے اور مسائل سلجھانے کی خصوصی صلاحیت حاصل ہے۔ ان کے تجویز کردہ حل اکثر مجرب ثابت ہوتے ہیں۔ ہر ایک بیٹے، بیٹی، بہو، پوتے، پوتی، نواسے، نواسی کو اس کے حسبِ حال مناسب مشاورت، رہنمائی اور مدد مہیا کرتی رہتی ہیں۔ ان میں سے اگر کوئی پریشان ہو تو اس کی طرف خصوصی توجہ مبذول کرتی ہیں اور ہر ممکن طریقے سے اس کی پریشانی دور کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔

ماں جی کی اس وقت عمر قریباً 73 سال ہے۔ ہمارے خاندان و برادری میں انہیں مرکزِ اتحاد و اتفاق اور نقیبِ محبت و ہمدردی کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان کی بدولت، بے حسی، بے مروتی، خود غرضی، لاتعلقی اور نفسا نفسی کے اس دور میں بہت سے دل جڑے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں شاد آباد تا ابدالآباد رکھے اور ہمارے سروں پر ان کا سایہ قائم دائم رکھے۔

ان کی تعلیم و تربیت اور دعاؤں کی بدولت آج ہم سب بہن بھائی سماجی و معاشی لحاظ سے صاحبِ حیثیت ہیں۔ سب کے معقول، حلال ذرائع روزگار اور اپنے گھر ہیں۔ سب کے سب ترقی و فلاح کے راستے پر گامزن ہیں۔ مائیں تو سب کی ہی پیاری ہوتی ہیں۔ کچھ مائیں بہت پیاری ہوتی ہیں۔ ماں جی ان میں سے ایک ہیں۔ بندہ عاجز نے یہ چند الفاظ انہیں ہدیۂ عقیدت پیش کرنے اور اظہارِ تشکر کے لیے تحریر کیے ہیں۔ اگرچہ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا اور نہ ہی یہ ادا ہو سکتا ہے۔

ابا جی حضور رحمۃ اللہ علیہ

ابا جی حضور (محمد یٰسین مرحوم رحمۃ اللہ علیہ)، دادا جی (عمر دین رحمۃ اللہ علیہ) کی بڑھاپے کی اولاد تھے۔ انہیں ابتدائی تعلیم کے لیے گورنمنٹ پاکستان پرائمری سکول میں داخل کرایا گیا۔ جس سکول میں پڑھتے تھے، اسی سکول کے باہر چھٹی کے وقت کھانے پینے کی اشیاء فروخت کرتے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ افرادِ خانہ (والد، والدہ، چھوٹے بھائی محمد اقبال، بڑی ہمشیرہ) کے اخراجات پورے نہیں ہو رہے تو انہوں نے سلسلہ تعلیم ترک کر دیا اور اپنا تمام وقت محنت و مزدوری کے لیے اور بہتر روزگار کے حصول کے لیے وقف کر دیا۔

انہوں نے اپنی عملی زندگی کا آغاز والدین اور بہن بھائی کی خدمت سے کیا۔ روزانہ ضعیف والدہ کی خدمت سے متعلقہ مختلف امور سرانجام دے کر محنت مزدوری کے لیے نکل جاتے تھے۔ انہوں نے اپنے والدین کو تمام ضروریاتِ زندگی مہیا کیں اور ہر طرح سے ان کے آرام و سکون کا خیال رکھا۔

وہ فطرتاً بہت محنتی، باحوصلہ اور ہمت والے انسان تھے۔ غربت سے نجات پانا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے جہدِ مسلسل اور عملِ پیہم کے اصولوں پر عمل کیا۔ وہ تبدیلی و اصلاح اور ترقی کے لیے مسلسل کوشش کرتے رہے جس وجہ سے ان کی معاشی حالت بہتر ہوتی گئی۔ وہ باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کر سکے تھے۔ اس مسئلے کا حل انہوں نے یوں نکالا کہ اپنے اردگرد کے ماحول اور شخصیات کا بغور جائزہ لے کر ان کی غلطیوں سے، اپنی عملی زندگی کے تجربات سے اور کامیاب، سمجھدار لوگوں کی ہم نشینی سے سبق حاصل کرنا اور اصلاحِ ذاتی کرنا سیکھ لیا۔

انہیں مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ اردو زبان میں لکھی کتب اچھی طرح پڑھ اور سمجھ لیتے تھے۔ روزمرہ حساب کتاب، آمدن و خرچ کے تفصیلی حساب اور ضروری کاموں کی روزانہ کی بنیاد پر فہرست مرتب کرنے کی مشق کی وجہ سے ان کی لکھائی بھی کافی اچھی ہو گئی تھی۔ ذوقِ مطالعہ کی وجہ سے انہوں نے اخلاقی تعلیم و تربیت، فلسفۂ حیات، روزمرہ نفسیات، آدابِ زندگی، حفظانِ صحت اور طب سے متعلقہ کافی زیادہ تعداد پر مشتمل کتب کی ذاتی لائبریری بنائی تھی۔ اخبار کا مطالعہ باقاعدہ کرتے تھے۔ اخبارات میں سے اہم مضامین اور خبروں پر مشتمل تراشے کاٹ کر ایک فائل میں محفوظ کر لیتے تھے تاکہ آئندہ ثانوی مطالعہ سے نکاتِ حکمت و دانش کو لازمۂ شخصیت و کردار بنانے میں مدد مل سکے۔

وہ بجلی، ٹیلی فون، گیس، وغیرہ کے بل ترتیب سے فائلوں میں لگاتے تھے۔ انکم ٹیکس باقاعدہ ادا کرتے تھے۔ اپنی آمدن و خرچ کا باقاعدہ حساب رکھتے تھے۔ انصاف پسند تھے۔ گفتگو کا انداز نہایت موثر اور مدلل تھا۔ معاملہ فہم تھے۔ اپنے پرائے انہیں اپنے جھگڑوں اور اختلافات کے فیصلے کرنے کے لیے ثالث مقرر کرتے تھے۔ وہ منصفانہ فیصلے کرتے تھے۔

وہ بااخلاق تھے۔ کبھی ان سے فضول گفتگو نہیں سُنی۔ وہ چھوٹوں بڑوں سب کا احترام کرتے تھے۔ ہر ایک کو اس کی عمر، شخصیت اور مقام و مرتبہ کے مطابق اچھے انداز اور اچھے الفاظ سے مخاطب کرتے تھے۔

وہ تمام امور اصول و ضوابط کے تحت سرانجام دیتے تھے۔ مثلاً گفتگو کرنے کا مخصوص سلیقہ اور طریقہ تھا۔ وہ مخاطب کی بات نہایت توجہ اور دلچسپی سے سنتے تھے۔ جب وہ بات مکمل کر لیتا تو پھر اپنا موقف بیان کرتے تھے۔

وہ مہمان نواز تھے۔ مہمان کے آرام اور سہولت کا بہت خیال رکھتے تھے اور اپنی نہایت مصروفیت کے باوجود ہر ایک مہمان کو اہمیت دیتے تھے اور ہر ایک سے اس کی نفسیات اور ذہنی سطح کے مطابق گفتگو کرتے تھے۔ ان کی بھرپور توجہ اور مہمان نوازی کی وجہ سے ہر کوئی گھر سے خوش جاتا تھا۔ بہت بہادر، حوصلہ مند اور زیرک تھے۔ مصیبت اور پریشانی میں گھبراتے نہیں تھے۔ جب انہیں اپنی ہمشیرہ اور اس کے

بدتمیز، آوارہ اور بدتہذیب لڑکوں کی بدمعاشی اور غنڈہ گردی کا سامنا کرنا پڑا اور ان کے، ان کی اولاد اور اعزہ واقارب کے خلاف چالیس پچاس دیوانی مقدمات قائم کردیئے گئے تو انہوں نے نہایت ہمت، بہادری اور سمجھداری سے ان مقدمات کی پیروی کی۔ وہ تمام مقدمات کی شہادتوں اور جرح کی تیاری خود کر کے، تحریری شکل میں وکلا کو نوٹس مہیا کرتے تھے۔ الحمدللہ دشمن کے قائم کردہ تمام جھوٹے مقدمات و درخواستیں یکے بعد دیگرے مختلف تھانوں، عدالتوں سے خارج ہوتے گئے۔ بالآخر دشمن کو اپنی غلطیوں کا اعتراف کرنا پڑا اور صلح کرنا پڑی۔

والد محترم رحمۃ اللہ علیہ سادگی پسند تھے۔ سادہ مگر صاف ستھرا لباس پہنتے تھے۔ سادہ مگر ستھری غذا استعمال کرتے تھے۔ اچھے سے اچھا کھاتے اور کھلاتے۔

انہوں نے ہر لحاظ سے ہم بہن بھائیوں کی تربیت کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ عملی زندگی گزارنے کے لیے اخلاقی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دی۔ ہمارے بچپن میں وہ ہمیں لے کر بیٹھ جاتے۔ لکھائی درست کرنے کے لیے تختی لکھواتے۔ ہمارے ناخن خود تراشتے۔ انہوں نے معمولی سے معمولی بات کی تعلیم وتربیت پر بھرپور توجہ دی۔ مثلاً کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ کس طرح دھونے ہیں۔ کھانا کس طرح کھانا ہے۔ دائیں بائیں اچھی طرح دیکھ کر سڑک کیسے عبور کرنی ہے۔ سبزی منڈی سے اچھی طرح دیکھ بھال کر کے اور قیمت طے کر کے سبزی کیسے خریدنی ہے۔ اچھے پھلوں کی شناخت کیا ہے اور مختلف ریڑھیوں اور دکانوں سے مناسب قیمت پر اچھے پھل کیسے خریدنے ہیں۔ اس طرح کے بہت سے روزمرہ کاموں اور معمولات کی انہوں نے عملی تربیت دی تھی۔ ان کا تعلیم وتربیت کا انداز بہت منفرد تھا۔ مثلاً

1۔ والد محترم کی جامع کلاتھ مارکیٹ چنیوٹ بازار، فیصل آباد میں یٰسین کلاتھ ہاؤس کے نام سے کپڑے کی دکان تھے۔ انہوں نے مجھے اور میرے چھوٹے بھائی مقصود علی کو گورنمنٹ پاکستان ماڈل پرائمری سکول میں تیسری جماعت میں داخل کرادیا۔ ہماری ناظم آباد میں رہائش تھی۔ وہ روزانہ ہمیں سائیکل پر بٹھا کر دکان پر لے آتے۔ وہاں سے ہم بھائی سکول پڑھنے چلے جاتے۔ واپسی پر اپنی دکان پر ہی آجاتے۔ وہاں کھانا کھاتے۔ جامع مسجد چنیوٹ بازار میں عصر کے وقت دونوں بھائی قرآن حکیم ناظرہ کی تعلیم حاصل کرنے چلے جاتے۔ واپس آتے تو ماسٹر صاحب ٹیوشن پڑھانے کے لیے تشریف لے آتے۔ رات کو جب والد صاحب دکان بند کرتے تو ان کے ساتھ ہی واپس گھر آتے۔ گھر سے دکان اور دکان سے گھر آتے جاتے انہوں نے ہمیں راستے کی پہچان کرادی اور سائیکل چلانا سکھا دیا۔ ان کا یہ تعلیمی عمل سوال جواب پر مشتمل ہوتا تھا۔ تعلیم وتربیت دے کر وہ مختلف سوالات پوچھ کر اور پریکٹیکل کروا کر اپنے تعلیم وتربیت کے نتائج کی تصدیق کر لیتے تھے۔

2۔ ایک بار انہوں نے ایک ملازم کو کچھ روپے دیئے اور اسے کہا کہ ان دونوں کو (راقم الحروف اور بھائی مقصود کو) گھنٹہ گھر لے جاؤ۔ انہیں تمام بازاروں کے نام یاد کراؤ۔ جب یہ دونوں آٹھوں بازاروں کے نام یاد کر کے بتادیں تو انعام کے طور پر خود بھی آئس کریم کھاؤ اور انہیں بھی کھلاؤ۔ مجھے اچھی طرح ان آٹھوں بازاروں کے نام یاد ہوگئے۔ آج تک تعلیم وتربیت کا وہ پیارا انداز اور آٹھوں بازاروں کے نام یاد ہیں۔

3۔ انہوں نے ہماری تفریح اور دلچسپی کے لیے کئی طرح کے کھلونے خریدے ہوئے تھے۔ جمعہ کو (چھٹی کے دن) ریلوے ٹرین کا ماڈل چلا کر دکھاتے۔ ٹب کے پانی میں اسٹیم سے چلنے والی کشتی بھی چلا کر دکھاتے۔

4۔ والد صاحب ہماری غذا اور صحت کا بہت خیال رکھتے تھے۔ اچھے سے اچھا کھلاتے تھے اور اگر کوئی بیمار ہوجاتا تو اس کے علاج کی بھرپور کوشش کرتے تھے۔ اگر ہم بہن بھائی وقت سے پہلے سو جاتے تو ہمیں فرداً فرداً گردن سے پکڑ کر بٹھا دیتے اور منہ کو دودھ کا گلاس لگا دیتے تھے۔ ہم نیند میں ہی دودھ پی کر، گلاس انہیں پکڑاتے اور سو جاتے۔ ایک بار بچپن میں، بدپرہیزی کی وجہ سے میرا گلا خراب ہوگیا۔ میں اسی حالت میں سوگیا۔ سوتے وقت میں دشواری سے سانس لے رہا تھا۔ والد صاحب نے مجھے جگایا اور مجھے پوچھا کہ دن بھر کیا کیا کھایا تھا۔ میں نے تفصیلات بتادیں۔ اس وقت کسی معالج سے رابطہ تو ممکن نہیں تھا۔ انہوں نے گھر میں موجود ادویات اور اشیائے خوردنی سے کام لیا اور مجھے جوشاندہ بنا کر پلایا۔ ایک دو گھنٹے اسی تگ ودو میں لگے رہے۔ حتیٰ کہ میری طبیعت

بحال ہوگئی اور میں پرسکون نیند سو گیا۔

ماں باپ کی محبت کے انداز ہی نرالے ہوتے ہیں۔ وہاں محبت کے دعوے نہیں ہوتے عملی طور پر محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ محبت جتلاتے نہیں۔ اپنے احسانات کا ذکر نہیں کرتے۔ ان کی یہ خاموش محبت اور محبت بھرے انداز بارگاہِ الٰہی میں اسی قدر مقبول ہیں کہ ذاتِ باری تعالیٰ نے باپ کی رضا کو اپنی رضا قرار دیا ہے اور اپنے نبی کریم ﷺ کے ذریعے بشارت عطا فرمائی کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ خدمت کرو اور جنت پالو۔

والد محترم نہایت خود دار تھے۔ اپنی اور دوسروں کی عزتِ نفس کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ہم بہن بھائیوں کی تعلیم وتربیت اور بہتر مستقبل کے لیے بہت سنجیدہ تھے۔ نظم وضبط کے سخت پابند تھے۔ ان کے مقرر کردہ ضابطوں کی خلاف ورزی پر بعض اوقات فوجی انداز کے کورٹ مارشل اور سزا کا بھی سامنا کرنا پڑتا تھا۔

وہ اولاد کو اپنی دولت قرار دیتے تھے۔ میانہ روی کے قائل تھے۔ فضول خرچ ہر گز نہیں تھے۔ انہوں نے جو کچھ بھی کمایا سب کچھ اولاد کی پرورش اور تعلیم وتربیت پر خرچ کر دیا۔ انہوں نے اپنی ذات کی خاطر کبھی بھی قرض نہیں لیا۔ جب نامساعد حالات کا سامنا کرنا پڑا اور تمام ذرائع مسدود ہو گئے تو انہوں نے قرض لے کر بھی ہمیں فاقوں سے بچایا اور ہماری ضروریات پوری کیں۔ بعد میں انہوں نے تمام قرض احسن طریقے سے ادا کر دیئے۔

ان کی خواہش تھی کہ اپنی تمام اولاد کو اچھی تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ، رہنے کے لیے ہر ایک کو الگ الگ گھر اور کاروبار کرنے کے لیے وسائل فراہم کریں۔ خرابیِ حالات کی وجہ سے وہ ایسا نہ کر سکے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے، اولاد کو دی گئی تعلیم وتربیت پر بھرپور اعتماد تھا۔ اکثر کہا کرتے تھے کہ اولاد نااہل ہو تو بنے بنائے گھر اور کاروبار تباہ کر دیتی ہے۔ اگر اولاد اہل ہو تو گھر بھی بنا لیتی ہے اور کامیاب کاروباری اور سماجی زندگی بھی بسر کر لیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور نبی کریم ﷺ کے وسیلہ ورحمت سے ان کے تمام بیٹوں نے محنت مزدوری سے عملی وکاروباری زندگی کا آغاز کیا۔ آج سب کے اپنے شاندار گھر اور اچھے کاروبار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دی گئی اچھی تعلیم وتربیت کو شرفِ قبولیت بخشا اور شاندار نتائج سے ہمکنار فرمایا۔

والد محترم نہایت صابر وشاکر، خود دار اور اعلیٰ ونفیس مزاج کے حامل انسان تھے۔ مضبوط قوت ارادی کے مالک تھے۔ وعدے کی پابندی کرتے تھے۔ ہر حال میں قانون کی پاسداری کرتے تھے۔ سچ بولتے وقت کسی نفع ونقصان کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

اپنی زندگی کے نہایت تکلیف دہ بحران (1982 تا 1986ء) کے دوران اپنے خلاف، اپنے اہلِ خانہ واحباب کے خلاف مخالفین کے قائم کیے گئے مختلف جھوٹے دیوانی وفوجداری مقدمات کی کامیابی سے پیروی کر کے مخالفین کو شکست دی۔ اس عرصہ میں انہیں کافی زیادہ قانون فہمی حاصل ہو گئی تھی۔ اپنے داماد نسیم کو اس کے بھائی نعیم سے جائیداد میں سے حق دلانے کے لیے انہوں نے حقائق پر مبنی دیوانی دعویٰ دائر کرایا۔ انہوں نے ملکیت کے ثبوت فراہم کرنے کے لیے بے حد محنت کی۔ آخر کار یہ مقدمہ سول کورٹ وسیشن کورٹ سے ڈگری ہوا۔ ہائیکورٹ نے بھی مدعا علیہ کی اپیل ناقابلِ سماعت قرار دے کر خارج کی۔

مقدمات اور دعویٰ جات کی پیروی، ان کی تیاری اور ثبوتوں کی فراہمی میں شاید ہی کوئی وکیل یا پیروکار اس قدر محنت اور عرق ریزی سے کام لیتا ہو۔

وہ رشتوں کے باہمی احترام کے اصول پر سختی سے کاربند تھے۔ جہاں کہیں بھی انہیں کوئی گستاخی نظر آتی سخت سزا دیتے تھے۔

وہ دیرپا اور بے لوث دوستی کے قائل تھے۔ ان کے دوست بھی ان کی طرح نیک شریف، بااصول، محنتی اور مخلص انسان تھے۔

وہ کاروباری امور، اہل خانہ کی تعلیم وتربیت اور صحت کے امور کے علاوہ گھریلو امور میں بھی بھرپور دلچسپی لیتے تھے۔ کاروباری امور سے تعطیل کے ایام گھر کے کام نبٹانے اور گھر کو سنوارتے بسر کر دیتے تھے۔

ان کی شخصیت، عادات واطوار اور افکار کے حوالے سے کافی ضخیم، مستند و مدلل کتاب مرتب کی جاسکتی ہے۔ مختصراً اتنا کہنے پر ہی اکتفا کرتا ہوں کہ انہوں نے باعزت، شریفانہ زندگی بسر کی۔ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر اور اپنی صلاحیتوں اور وسائل پر بھروسہ کیا اور بھرپور ترقی کی۔ انہوں نے عام مزدور کی حیثیت سے عملی زندگی کا آغاز کیا اور کامیاب انسان کی حیثیت سے سماجی، اخلاقی اور اقتصادی و معاشی فلاح و بہبود حاصل کی اور ایک معزز شہری کے حیثیت سے زندگی گزاری۔ انہوں نے اپنے اہل خانہ کو بھی انہی امور کی تعلیم وتربیت دی اور ان کی کردار سازی میں خاطر خواہ کامیابی حاصل کی۔ جب ہم اپنے چچا، پھوپھی اور دیگر قریب ونزدیک کے رشتہ داروں کے نظامِ تعلیم وتربیت اور ان کی اولاد کی 50 تا 60 سالہ کارکردگی کا جائزہ لیتے ہیں تو بلا اختیار اپنے والدین کے بے شمار احسانات کے لیے شکریہ کے الفاظ دل میں موجزن ہوتے اور لب پر آجاتے ہیں۔

عزیزانِ من! بعض عام اور معمولی نظر آنے والے لوگ بہت غیر معمولی ہوتے ہیں۔ ہم ان کی شخصیت اور کردار کی خوبصورتی کا ادراک نہیں کر پاتے۔ مگر ایسے لوگ بغیر کسی صلہ وستائش کی خواہش کے نہایت ذمہ داری سے اور احسن طریقے سے اپنے فرائض اور ذمہ داریاں سرانجام دیتے ہیں اور اپنی اور دیگر افراد معاشرہ کی اصلاح میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔ ایسے لوگ کس قدر نادر اور غیر معمولی ہوتے ہیں، شاید اس بات کا اندازہ ممکن نہیں۔

انہوں نے زندگی کے آخری چند ایک سال جان لیوا مرض ہیپاٹائٹس سی اور جگر کے کینسر کا مردانہ وار اور ہمت وحوصلہ سے مقابلہ کرتے گزارے۔ مطالعہ کی وجہ سے وہ جگر کے اس مرض کی تمام علامات اور بیماری کے تمام مراحل سے آگاہ تھے۔ انہوں نے صبر وحوصلہ سے اس مرض کا سامنا کیا۔ ڈاکٹرز کی ہدایات کے مطابق علاج کیا اور پرہیز کیا۔ بندہ عاجز نے کبھی بھی ان کے چہرے پر تکلیف کے آثار نہیں دیکھے۔ نہ ہی انہوں نے کبھی زبانی کلامی تکلیف کا اظہار کیا۔ آخری وقت جب انہیں خون کی قے آئی اور انہوں نے جان، جان آفرین کے سپرد کی تو بھی بفضل تعالیٰ انہیں کمال ضبط اور اطمینان حاصل تھا۔ ہم بہن بھائیوں میں سے ہر ایک کو، خصوصاً سجاد بھائی اور عاصم بھائی کو ان کا خصوصی قرب حاصل رہا۔ ان کے جان لیوا مرض کے دوران والدہ محترمہ اور سجاد بھائی کو ان کی خدمت کا خصوصی شرف حاصل ہوا۔ والدِ محترم نے 8 ستمبر 2001ء کو نیشنل ہسپتال فیصل آباد میں وفات پائی۔ ان کی وفات پر اپنے پرائے ہر ایک کو بہت غم اور صدمہ محسوس ہوا۔ ہر کوئی ان کے حسنِ اخلاق اور حسن کردار کا معترف تھا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے واسطے، وسیلے، صدقے سے بندہ عاجز کے والدِ محترم کی مغفرت فرمائے۔ انہیں عفو وعافیت اور فوز وفلاحِ دائمی عطا فرمائے۔ آمین! ثمہ آمین!

حوالہ جات وحواشی

01- فقیر عبدالحمید سروری قادری، حیات سروری، (لاہور: عظمت بی بی ٹرسٹ، بار چہارم، دسمبر 2009ء) ص21

02- فقیر عبدالحمید سروری قادری، حیات سروری، ص32، 54

03- فقیر عبدالحمید سروری قادری، حیات سروری، ص33

04- فقیر عبدالحمید سروری قادری، حیات سروری، ص34 تا35

05- فقیر عبدالحمید سروری قادری، حیات سروری، ص35 تا42

06- فقیر عبدالحمید سروری قادری، حیات سروری، ص42، 49، 57

07- فقیر عبدالحمید سروری قادری، حیات سروری، ص45

08- فقیر عبدالحمید سروری قادری، حیات سروری، ص67 تا69

09- فقیر عبدالحمید سروری قادری، حیات سروری، ص69 تا71

10- فقیر عبدالحمید سروری قادری، حیات سروری، ص73، 84، 118

11- فقیر عبدالحمید سروری قادری، حیات سروری، ص114

12- فقیر عبدالحمید سروری قادری، حیات سروری، ص131

13- فقیر عبدالحمید سروری قادری، حیات سروری، ص95 تا98

14- فقیر عبدالحمید سروری قادری، حیات سروری، ص107 تا108

15- فقیر عبدالحمید سروری قادری، حیات سروری، ص62 تا63

16- فقیر عبدالحمید سروری قادری، حیات سروری، ص112، 115، 124، 126، 128، 130

17- فقیر عبدالحمید سروری قادری، حیات سروری، ص132

18- فقیر عبدالحمید سروری قادری، حیات سروری، ص134

19- فقیر عبدالحمید سروری قادری، حیات سروری، ص117

20- فقیر عبدالحمید سروری قادری، الہامات (لاہور: دربارِ فیض، بار پنجم، 2014ء) ص18 تا24
فقیر عبدالحمید سروری قادری، حیاتِ سروری (لاہور: عظمت بی بی ٹرسٹ، بار چہارم، 2009ء) ص136

21- فقیر عبدالحمید سروری قادری، الہامات، ص136 تا137

22- فقیر عبدالحمید سروری قادری، الہامات، ص137

23- فقیر عبدالحمید سروری قادری، الہامات، ص284، 287، 289، 308، 312، 350

24- فقیر عبدالحمید سروری قادری، الہامات، ص195 تا197

25- فقیر عبدالحمید سروری قادری، الہامات، ص198 تا199

26- فقیر عبدالحمید سروری قادری، الہامات، ص219 تا221

27- فقیر عبدالحمید سروری قادری، الہامات، ص37 تا38

28- فقیر عبدالحمید سروری قادری، الہامات، ص350

29- خواجہ محمد غلام نصیر الدین چاچڑوی، مثنوی بدر العرفان فی آثار القرآن، جلد اول، منظوم کلام پارہ اول تا سوم، مرتبہ: محمود علی انجم (فیصل آباد: دربارِ عالیہ رحمٰن شریف، بار اول، 1992ء) ص17 تا19

30- خواجہ محمد غلام نصیر الدین چاچڑوی، مثنوی بدر العرفان فی آثار القرآن، جلد اول، ص19

31- خواجہ محمد غلام نصیر الدین چاچڑوی، مثنوی بدرالعرفان فی آثار القرآن، جلد اول، ص21

32- خواجہ محمد غلام نصیر الدین چاچڑوی، مثنوی بدرالعرفان فی آثار القرآن، جلد اول، ص22 تا23

33- خواجہ محمد غلام نصیر الدین چاچڑوی، سوز وسازِ دل (غیر مطبوعہ مجموعہ کلام)، مرتبہ: محمود علی انجم (فیصل آباد: دربارِ عالیہ رحمٰن شریف، 1995ء)، ص5، 19، 49، 57-2، 92، 105-2، 105-3

34- طاہر القادری، پروفیسر ڈاکٹر، المنہاج السوی (مجموعہ احادیث)، (لاہور: منہاج القرآن، ب ن، اگست 2008ء)، ص536

35- طاہر القادری، پروفیسر ڈاکٹر، المنہاج السوی، ص537

36- شرف الدین مصلح سعدی شیرازی، گلستانِ سعدی، مترجم: سجاد حسین، مولانا قاضی، (لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ب ن، س ن)، ص11

37- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، بانگِ درا، ص208

38- خالد محمود خالد نقشبندی

39- طاہر القادری، پروفیسر ڈاکٹر، المنہاج السوی، ص708

40- ضرب المثل

41- طاہر القادری، پروفیسر ڈاکٹر، المنہاج السوی، ص487

42- یہ واقعہ 1982ء کا ہے آج میں نے (مورخہ 28 جون 2017ء کو قریباً پینتیس برس بعد) یہ مدت اندازے سے اپنے پاس موجود تحریری مواد کا بغور جائزہ لے کر اپنے علم ویقین کی حد تک درست لکھی ہے۔ باقی تمام واقعات ومعاملات مجھے اچھی طرح یاد ہیں اس لیے انہیں لکھتے وقت کوئی خاص تردد نہیں کرنا پڑا۔

043- خالد محمود خالد نقشبندی